﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ﴾

یہ قرآن لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔

سورہ جاثیہ آیت20

بصائر

ربیع الاول۔ربیع الثانی

سرپرست

حجۃ الاسلام ڈاکٹر رضا شاکری

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مدیر

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس مشاورت

حجۃ الاسلام............................سید فیاض حسین رضوی

حجۃ الاسلام............................سید منظور عالم جعفری

حجۃ الاسلام............................سید سرور عباس نقوی

حجۃ الاسلام............................علی عباس حمیدی

حجۃ الاسلام............................اطہر حسین شاہ

ادارہ کا مقالہ نگاروں کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

برائے رابطہ:

۱۸/ تلک مارگ، ایران کلچر ہاؤس۔نئی دہلی

miudafter@gmail.com

فہرست مطالب

اداریہ..........................ادارہ..........................۴
حمد باریٔ تعالی..........................ظہور مہدی مولائی..........................۵
اسلامی مناسبتیں..........................ادارہ..........................۶
پیغمبر امن..........................ڈاکٹر رضا شاکری..........................۷
دشمنوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا طرز معاشرت..........................منہال رضا خیر آبادی..........................۹
شیعیانِ عالم کے لئے گیارہویں امامؑ کی اہم ہدایات!..........................سید تقی عباس رضوی کلکتوی..........................۱۳
امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف امام حسن عسکری علیہ السلام کی نگاہ میں..........................سید علی ہاشم عابدی..........................۲۵
زمانہ غیبت میں شیعہ معاشرے کی آمادگی میں امام حسن عسکری کا کردار..........................علی عباس حمیدی..........................۳۴
حضرت معصومہ ٔقم سلام اللہ علیہا کی زیارت کی فضیلت و ثواب..........................ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی..........................۳۸
مدح معصومہ قم سلام اللہ علیہا..........................سید ضرغام حیدر..........................۴۵
حضرت عبد المطلبؑ تاریخ کے آئینہ میں..........................سید محمد مجتبیٰ علی رضوی..........................۴۶
شہادت حسینی پر لکھے جانے والے مقاتل کا جائزہ..........................آیت اللہ محمدی ری شہری/فیروز علی بنارسی..........................۵۲
توحید اور دعای عرفہ..........................ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی..........................۵۸
شیعوں کے نزدیک عقیدہ امامت اتنا اہم کیوں..........................ظہور مہدی مولائی قمی..........................۶۶
صحیفہ سجادیہ اور عظمت والدین..........................سید منظور عالم جعفری سرسوی..........................۶۹
ماں باپ پر بچوں کے حقوق..........................ڈاکٹر شازیہ مہدی..........................۷۷
کیا قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے؟..........................آیت اللہ مکارم شیرازی..........................۸۳
اسرائیلی جارحیت پر مسلمانوں کی خاموشی کے اسباب..........................عادل فراز لکھنوی..........................۸۶
آیت اللہ محسن نواب لکھنوی..........................سید رضی زیدی پھندیڑوی مقیم دہلی..........................۹۳
توہین رسالتؐ ناقابلِ برداشت!..........................ٹی، اے، رضوی کلکتوی..........................۹۸

اداریہ

ہم کو چاہیے کے آج کے پیش رفتہ وسائل کے ذریعہ لوگوں کو صلح و محبت کی دعوت دیں تا کہ سب جگہ امن و امان کا ماحول پیدا ہو کہ جس کا پیغام لے کر خداوند متعال نے آمنہ کے لعل حضرت **محمد** ﷺ کو مبعوث کیا تھا تا کہ وہ پوری دنیا میں پرچم اسلام لہرائیں اگرچہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں پوری دنیا پر اسلام غالب نہ آسکا اور آپ ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک بھی اسلام کا پوری دنیا پر غلبہ نہ ہوا اس کے برعکس آج تو ہر طرف اسلام کے دشمن ہی نظر آتے ہیں آج فلسطین اور غزہ میں اکتالیس ہزار سے زائد بے گناہ افراد کا قتل عام کیا گیا جن میں بچوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہے لبنان کی بے گناہ عوام حتی حزب اللہ کے قائد عظیم ،حامی مظلومین سید حسن نصر اللہ اعلی اللہ مقامہ کو شہید کر دیا جاتا ہے مگر امت مسلمہ خاموش نظر آرہی ہے اور مسلمان حکمراں کا تو یہ حال ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کرنے کے بجائے خاموش ہیں یا پھر دشمن کے پالے میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے ؟ کیا ہمارے پیغمبر ﷺ نے اپنی امت کو ان مصائب میں گرفتار نہ ہونے کی کیا کوئی تدبیر نہیں سوچی تھی ؟ جبکہ آپ ﷺ نے بہت سی چیزوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی آپ اپنی زندگی ہی میں ہی ان تمام چیزوں کو دیکھ رہے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے بستر مرگ پر اپنے گرد جمع اصحاب سے فرمایا تھا "مجھے قلم و دوات دیدو تا کہ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے" لیکن موجودہ افراد میں سے ایک نے کہہ دیا ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے جس کے بعد آپس میں اختلاف ہوا کچھ نے وہی بات بولی کہ ہم کو اللہ کی کتاب کافی اور کچھ کہنے لگے بہتر ہے لکھوائیں تا کہ ہمیشہ کے لئے گمراہی سے بچ جائیں اختلاف میں اتنا شور شرابا ہوا کہ حضور ﷺ کو کہنا پڑا میرے پاس سے چلے جاو کیونکہ نبی کی بارگاہ میں ہنگامہ آرائی مناسب نہیں ہے یہ یاد رہے کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی آواز پر اونچی آواز کرنے والوں کے اعمال کو حبط اور کالعدم جانا ہے اسی نوشتہ ہدایت کے نہ لکھے جانے کی بنا پر مسلمان اختلافات کا شکار ہوگئے،دوسروں کی ہدایت کیا کرتے خود ہدایت سے محروم ہوگئے دوسروں کو جھگڑوں سے کیا روکتے خود جھگڑوں میں پھنس گئے دوسروں سے بدعت اور ضلالت کو دور کرنے کے بجائے خود ضلالت اور گمراہی کا شکار ہوگئے جس کا فائدہ اٹھا کر دشمن ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہا ہے لہذا اس ظلم کی بنیاد مسلمانوں نے اپنے حضور کی جمعرات کے دن نافرمانی کر کے ڈال دی جس کو رسول خدا کے ابن عم مفسر قرآن عبد اللہ ابن عباس یاد کر کے اتنا روتے تھے زمین بھیگ جاتی تھی اور کہتے تھے تمام مصیبتیں اسی دن سے شروع ہوئیں۔

آج مسلمان اگر تمام اختلافات سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ اور اہل بیت رسول خدا علیہم السلام کے دامن سے متمسک ہو جائیں کہ جن سے خدا نے ہر قسم کے رجس کو دور کہا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا اور ان کی محبت کو واجب قرار دیا قُلْ لَّآ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ان ہی کو آپ ﷺ اپنے بعد مسلمانوں میں بطور ودیعت چھوڑ کر گئے کیونکہ ان کی تعلیمات ہی حقیقی اسلام، آپسی اتحاد اور مظلوموں کی حمایت کا درس دیتی ہے

آخر میں رب قدیر سے دعا گو ہیں کہ وہ نمایندگی جامعۃ المصطفی میں تمام خدمت کرنے والے اور **مجلہ بصائر** میں علمی ،فکری اور تحقیقاتی امور میں تعاون کرنے والے تمام افراد کو اپنے حفظ و امان میں رکھتے ہوئے ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین

حمدِ باریٔ تعالیٰ

روز و شب، شام و سحر، حمد خداوند کریم　　فرض ہے انسان پر، حمد خداوند کریم

کرتے ہیں برگ و شجر، حمد خداوند کریم

کیسے پھر چھوڑے بشر، حمد خداوند کریم

نعمتوں سے کس قدر معمور ہے یہ کائنات　　کر کے اس پر غور! کر، حمد خداوند کریم

سارے انسانوں پہ اس کی اہمیت ہو آشکار

یوں کریں اہلِ نظر، حمد خداوند کریم

کرتے رہتے ہیں مسلسل عرش و کرسی، کوہ و دشت　　اور خورشید و قمر، حمد خداوند کریم

ہم پہ لازم ہے کہ ہم کرتے رہیں ہر حال میں

امن ہو یا ہو خطر، حمد خداوند کریم

کر رہے ہیں زیرِ خنجر بھی بصد عجز و نیاز　　دیکھ! شاہ بحر و بر، حمد خداوند کریم

ہے سعادت، کامیابی، سرفرازی اور نجات

بالیقین اور سر بسر، حمد خداوند کریم

عزتیں چومیں گی خود پاؤں ہمارے گر کریں　　ہو کے ہم شیر و شکر، حمد خداوند کریم

دل میں ہو اللہ کا گر عشق و عرفاں اے ظہور

آئے گی خود مونھ پر، حمد خداوند کریم

اسلامی مناسبتیں

- **ماہ ربیع الاول**
- 1 ربیع الاول/لیلۃ المبیت (سنہ ا ہجری)
- 5 ربیع الاول سنہ/وفات حضرت سکینہؑ
- 8 ربیع الاول/شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام (سنہ 260 ہجری)
- 9 ربیع الاول/امام زمانہ (عج) کی امامت کا آغاز (سنہ 260 ہجری)
- 10 ربیع الاول/رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجہ سے نکاح (بعثت سے ۱۵ سال قبل)
- 17 ربیع الاول/رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت (ایک عام الفیل)

ولادت امام صادق علیہ السلام (سنہ 83 ہجری)

- 23 ربیع الاول/فاطمہ معصومہؑ کا شہر قم میں داخلہ (سنہ 201 ہجری)

- **ماہ ربیع الثانی**

1 ربیع الثانی/شہادت امام باقر علیہ السلام (ایک قول کے مطابق) (سنہ 114 ہجری)

4 ربیع الثانی/ولادت عبد العظیم حسنیؑ (سنہ 173 ہجری)

8 ربیع الثانی/ولادت امام حسن عسکری علیہ السلام (سنہ 232 ہجری)

10 ربیع الثانی/وفات فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا (سنہ 201 ہجری)

22 ربیع الثانی/وفات موسی مبرقع فرزند امام محمد تقیؑ (سنہ 296 ہجری)

28 ربیع الثانی/وفات علامہ امینی (سنہ 1390 ہجری)

- **ماہ جمادی الاول**

۵ جمادی الاول/ولادت حضرت زینب کبری (سنہ 5 ہجری)

15 جمادی الاول/ولادت امام زین العابدین (سنہ ۳۸ ہجری)

۱۳ جمادی الاول/شہادت حضرت زہراؑ (سنہ 11 ہجری)

پیغمبرِ امن

ڈاکٹر رضا شاکری

ربیع الاول وہ مہینہ ہے جس میں ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے آپ ﷺ دنیا کے لئے رحمۃ العالمین تھے آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی دنیا کو پیار، محبت، امن اور مظلوم کی حمایت کا درس دیا ہے۔

آپ ﷺ کی تربیت اور پرورش خداوند متعال نے کی تھی جس کی طرف آپؐ نے اشارہ کیا ادبنی ربی میری تادیب و تربیت خداوند متعال نے کی ہے، آپ ﷺ اس تربیت پر ایسا عمل پیرا ہوئے کہ حتی کافروں اور دشمنوں نے بھی آپ ﷺ کی صداقت اور امانت داری کا کلمہ پڑھا اور آپ ﷺ کو امین اور صادق کے نام سے یاد کیا

آپ نے ہمیشہ پیار، محبت، امن اور شانتی کا درس دیا اگر آپ حضور اور ان کے حقیقی جانشینوں کے اقوال اور فرمائشات پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے رسول اور ان کا لایا ہوا دین کس قدر پر امن ہے اور اس دین کو سب کی فکر ہے اس کے منابع میں وارد ہونے والے متون کو ملاحظہ فرمائیں تو پتہ چلے گا مثلا اس دعا پر توجہ فرمائیں۔

اللهم اغن كل فقير...اے اللہ! ہر فقیر کو غنی کردے۔ اللهم اكس كل عريان...بار الٰہا! ہر برہنہ کی ستر پوشی فرما۔ اللهم اقض دين كل مدين ... اے اللہ ہر مقروض کے قرض کو ادا فرما۔ اللهم فك كل اسير اللهم فرج عن كل هم وغم اللهم رد كل غريب ... اے اللہ! (ظلم وجور کے) ہر قیدی کو رہائی نصیب فرما۔ ہر رنجور اور گرفتار محن کو اس کے رنج و غم سے نجات دلا دے۔ اے اللہ! ہر غریب الوطن کو اس کے گھر پہنچا دے۔

مذکورہ بالا کلمات میں صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام بھوکے، فقیر، برہنہ، مقروض، بے گناہ اسیر اور مسافر انسانوں کے لئے دعا کی گئی ہے بلکہ یہ دعا کہ ہر بھوکے کو کھانا کھلا انسانیت سے بالا ہو کر ہر اس شئ کے لئے دعا کی گئی ہے جسے غذا اور کھانے کی ضرورت ہے

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يُنادي يَاَلَلْمُسْلِمِينَ، فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ [1]. جو کسی کو آواز دیتے سنے اے مسلمانوں اور وہ اس کی آواز پر لبیک نہ کہے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

[1] - أصول الكافى, ج٢, ص١۶۴; التهذيب, ج۶, ص١٧۵ (ح٢٩).

آپ کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ اگر ایک غیر مسلم نیاز مند مسلمان کو آواز دے اور مسلمان اس کو جواب نہ دے تو وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے اسی طرح اور بہت ساری روایات ہیں جیسا آپ نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

آپ کے تربیت یافتہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام حسنین علیہما السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بن جاو" آپؑ کے دور حکومت میں ایک غیر مسلم عورت کے پاوں سے پازیب اتار لی جاتی ہے جس پر آپؑ نے فرمایا کہ ایک مسلمان اگر یہ سنے اور سن کر مر جائے تو اسے مرنے کا حق ہے اسی طرح آپؑ نے ایک غیر مسلم کو بھیک مانگتے دیکھا لوگ اس کو بھیک دے رہے تھے تو آپؑ نے پوچھا لوگوں نے کہا غیر مسلم ہے آپؑ نے فرمایا: جب تک اس میں طاقت رہی اس سے کام لیا اور جب بوڑھا ہو گیا تو اس کو چھوڑ دیا پھر آپ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ باندھا اسی نبیؐ کے تربیت یافتہ علیؑ جب ایک غیر مسلم مسافر کو اخلاق نبوی کی بنا پر چند قدم چھوڑنے کے لئے قدم اٹھاتے تو وہ مسافر سوال کرتا ہے کہ کیا آپ کو کوفہ نہیں جانا تو آپ نے فرمایا ہمارے نبی نے فرمایا کہ مسافر کا بھی تمہارے اوپر حق ہوتا ہے یعنی جب وہ تم سے جدا ہونے لگے تو چند قدم چھوڑنے کے لئے آگے بڑھو اس پر اس کو تعجب ہوا کہ تمہارے نبیؐ کا یہ فرمان تھا اسی طرح آپ نے جب مالک اشتر کو بصرہ کا گورنر بنایا تو آپ نے سمجھایا جن پر تم حکومت کے لئے جارہے ہو یا وہ اسلام میں تمہارے بھائی ہیں یا انسانیت میں دونوں کا ان کو حق دینا

خود ہمارے حضور نے فتح مکہ میں اس شخص سے علم کو چھین لیا تھا جس نے یہ نعرہ لگایا تھا "آج کا دن بدلے کا دن ہے" آپ نے فرمایا آج کا دن مرحمت کا دن ہے حتی آپ نے اپنے جانی دشمن ابو سفیان کو معاف کر دیا اور آپ نے ہمیشہ صلح و آشتی کی دعوت دی اور اپنے پیروں کاروں کو ہدایات دیں کہ (مجبوری میں) جنگ کرنا بھی پڑ جائے تو بوڑھوں، عورتوں، بچوں کو نشانا نہ بناؤ پانی اور خوراک میں زہر نہ ملانا درختوں کو نہ کاٹنا وغیرہ وغیرہ

آپ کی اس بات کو ہر صاحب عقل انسان داد و تحسین دیتا ہے حتی کہ اقوام متحدہ نے جنگی قوانین میں آپ کی اس فرمائش کو مد نظر رکھا ہے لیکن اس کے بعد بعض دشمنان پیمبر ﷺ آپؐ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سورج پر تھوکنے والے کا تھوک خود اسی کے منہ پر آکر گرتا ہے اور سورج اسی طرح چمکتا رہتا ہے سورج کو نیست و نابود کرنے والے خود نیست و نابود ہو گئے لیکن سورج آج بھی باقی ہے۔

ہم کو چاہیے کہ ہم اپنے نبیؐ کی پیروی کرتے ہوئے پوری دنیا کو گلستان بنادیں اور اسطرح اپنے اخلاق اور کردار سے لوگوں کو خداوند متعال کے پیارے دین سے آشنا کریں ۔

***

دشمنوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا طرز معاشرت

منہال رضا خیر آبادی مئو

کردار کی جنگ میں صاحب کردار دنیا کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہوسکتا ہے لیکن اس کے انمٹ نقوش صفحہ ہستی پر دعوت و تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں،ظلم و ستم کی باد صرصر،جبر واستبداد کی دندناہٹ،شرک وکفر کا طوفان بلا خیز،بد کرداریوں کی تند و تیز آندھیاں صاحب کردار کے پاکیزہ کردار کی چمک دمک کو مدھم نہیں کر سکتے ہیں،بادی النظر میں ایسا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اشرار فاتح اور صاحب کردار ہزیمت خوردہ ہے لیکن باطن امر وہ فاتح و سربلند ہوتا ہے۔

عظیم صاحب کردار وہ ہوتا ہے جن کا لافانی کارنامہ، مستحکم کردار، ملی و معاشرتی مفاد میں غیر معمولی پوشیدہ قربانی ہم عصر نسل اور مستقبل میں پیدا ہونے والی نسلوں کیلئے منارہ نور بن جائے، مخالفین کی ہزار کوششیں، معاندین کی سعی پیہم اس کے عظمت کردار پر دھبہ نہ لگا سکیں۔

آج دنیاء انسانیت اس حقیقت کو بسر و چشم تسلیم کر رہی ہے کہ صداقت سے شروع ہونے والی رسالتی تحریک مختصر ترین عرصہ حیات میں افق عالم پر چھا گئی جس کو دیکھکر دشمن طاقتیں انگشت بدنداں رہ گئیں۔

کردار و شخصیت سازی دین کا اہم ترین حصہ ہے ارسال رسل اور انبیاء کا یکے بعد دیگرے اس کائنات میں آنے کا ایک مقصد انسان سازی، شخصیت کی تعمیر، کردار کو پاکیزہ بنانا تھا۔

خالق رحمت نے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ کو رسول رحمت کے نام سے یاد کیا ہے ارشاد ہوتا ہے "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین"[1] پروردگار نے جس رحمت کا مظہر کائنات کی وجہ تخلیق ذات کو بنا کر عالم ہست و بود میں بھیجا تھا اس کے نمونے حیات طیبہ میں جا بجا نظر آتے ہیں، بیکسوں کو بلندی عطا کیا، وقار نسواں کو بحال کیا، ذاتی انتقام کے بھڑکتے شعلوں کو آب رحمت کی چھینٹوں سے سرد کیا، محبت و رافت، رحمت و مہربانی سیرت پیغمبر اکرم کے وہ بنیادی اخلاقی اصول تھے جو آپ کی معاشرتی سیرت کے وسیع ولا متناہی باب میں نمایاں اور واضح طور پر نظر آتے ہیں آپ کا دائرہ رحمت اپنوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس کے وسیع و عریض دائرہ میں خاندان، قبیلہ، عرب و عجم، دوست و دشمن کا کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا تھا۔

بعثت مرسل اعظم تاریخ کا وہ عظیم انقلابی نقطہ تھا جس نے تاریخ بشریت میں مادیت پرستوں کی نگاہوں کو معنویت، فانی حیات سے حیات طیبہ کی طرف موڑ دیا، اسلامی سماج میں عقیدہ توحید کی بنیاد پر پیدا ہونے والا عظیم انقلاب ایک لامتناہی ولافانی

---

[1] قلم/۴

تمدن و ثقافت کی تشکیل کی اساس قرار پایا، تاریخ انسانیت کا عظیم انسان جس نے اپنے مستحکم عزائم، قوی ارادوں، پختہ کردار، لافانی سیرت کے ذریعہ اسلامی پرچم لہرایا اور جہالت و ضلالت کی برسوں پرانی روایات کا جنازہ تاریخ کے گورستان میں دفن کرکے دم لیا، ظلم واستبداد کی بیخ کنی کا بے نظیر کام انجام دیکر امن وامان، صلح وآشتی کی فضا قائم کیا مغربی مفکرین کا اعتراف اس بات کا بین ثبوت ہے "کائنات کا کوئی حاکم، سلطان ہاتھوں میں زریں عصا لیکر بھی اس کہنہ جامہ بردوش انسان کے برابر عوام الناس کے اعتماد واطمینان کو حاصل نہ کرسکا"

فضائل اخلاق، کردار کی پاکیزگی کا بحر ناپید اکنار جس کے کریمانہ انداز تخاطب، مہر ومحبت سے لبریز انداز معاشرت نے دلوں پر راج کیا، صداقت وامانتداری جس کا وطیرہ، حقوق انسانی کا حقیقی علمبردار، رنگ و نسل، قومیت وملیت کے سارے تانے بانے کو اکھاڑ کر مساوات و مواسات کا آفاقی نظام رائج کرنے والے، تصورات وخیالات میں انقلاب برپا کرنے والے، جاہلی اقدار کو مٹا کر اسلامی اقدار کی بساط بچھا کر بدو عربوں، خون کے پیاسے، انسان نما بھیڑیوں میں جذبہ اخوت وہمدردی پیدا کرنے والے نبی رحمت کی زندگی وسیرت کا ہر گوشہ اور ہر پہلو عالم انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ ونمونہ کامل ہے جس کی پیروی دارین کی سعادت کا باعث ہے۔

نرم گفتاری، محبت آمیز انداز معاشرت، خوش اخلاقی کسی بھی تحریک ومشن کی کامیابی میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں، دیندار سماج ہو یا بے دین معاشرہ ہر ایک اس بات کو تسلیم کرتا ہے۔ سیرت پیغمبر اکرم ﷺ کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ آپ کی تحریک ہدایت ورشادت کی کامیابی اسی میں مضمر تھی، دوست یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا سب کے ساتھ رافت ورحمت، مہربانی والفت سے پیش آتے اور مسالمت آمیز رویہ رکھتے، عربی مزاج میں انتقام جوئی، نخوت وغرور، قبائلی افتخارات کوٹ کوٹ کر بھرا تھا مگر آپ کے انداز معاشرت نے ان تمام خود ساختہ اصولوں پر خط بطلان کھینچتے ہوئے خدا ساز آئین واصول معاشرت پر گامزن ہو کر لوگوں کے دلوں سے خوف وہراس کو ختم کر دیا، صلح وآشتی کے زیر سایہ انسانی فطرت کو چھیلنا ڑ کر انسانی جبلت سے سازگار اصول معاشرت کی طرف متوجہ کیا جس کے نتیجہ میں اسلامی اقدار واصول تیزی سے خطہ عرب سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنی آفاقیت کا پرچم نصب کرنے لگے، مقبولیت سے گھبرا کر اسلام دشمن طاقتوں نے بے بنیاد پروپیگنڈہ کے ذریعہ اس کی عظمت دلوں سے کم کرنے کا ہر روز نیا طریقہ اختیار کیا مگر حقیقت کے متوالے آج بھی دل وجان نچھاور کر رہے ہیں۔

مدینہ منورہ کے تین بڑے یہودی قبائل بنی قریضہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع سے دو عمومی وایک خصوصی معاہدہ ہوا تھا جس معاہدہ کو توڑ کر ان قبائل نے رسول اسلام اور مسلمانوں کے خلاف علی الاعلان تخریبی اقدامات کے ذریعہ امنیت ختم کرنے کی مذموم کوشش کیا، مکر وفریب کے ذریعہ اختلافات کو ہوا دینے کی ناکام سعی کرتے رہے پیغمبر اسلام گرچہ اس معاہدہ کی روشنی میں پیمان شکنی کی صورت میں قتل و خونریزی کا حق رکھتے تھے لیکن پھر بھی آپ نے کسی سخت اقدام کی اجازت نہیں دیا بلکہ تخفیف عمل کی بنیاد پر معاملہ کرتے ہوئے سیاسی قوت کے استعمال سے پرہیز کیا۔

حالات کی ناسازگاری اگر دشمن سے جنگ پر مجبور بھی کر دیتی تھی تب بھی رسول خدا کرامت و شرافت و حرمت انسانی کو پامال نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ اسراء و قیدیوں سے محبت آمیز سلوک فرماتے، مکہ کے سخت ترین دشمن جنھوں نے حیات مرسل اعظم میں مصائب وآلام، ایذا رسانی کی ساری حدیں پار کر دیا تھا باوجود اس کے فدیہ کی ادائگی کے بعد انھیں آزاد کر دینے کا حکم دیا اور جو فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے انھیں چند مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے عوض آزادی کا پروانہ عطا کیا[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جنگ ذات الرقاع میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درہ کے پاس درخت کے نیچے ٹھہرے اسی وقت سیلاب آیا اور رسول اکرم اور لشکر اسلام کے درمیان حائل ہو گیا مشرکین سے ایک شخص نے موقع کا فائدہ اٹھانے کی غرض سے اپنے ہمراہیوں سے کہا میں محمد کو قتل کر دوں گا اور تلوار لہراتا ہوا کہتا ہے اے محمد اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا نبی اکرم نے فرمایا میرا اور تمہارا خدا اسی وقت جبرئیل امیں نے آن کر اسکو گھوڑے سے گرا دیا نبی نے اسکی تلوار ہاتھ میں لیکر سوال کیا اب تو بتا تجھے کون بچائے گا اس مشرک نے جواب دیا آپ کی بخشش یہ سنکر آپ نے اسکو چھوڑ دیا وہ زمین سے اٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا بخدا آپ سے بہتر اور کریم میں نے نہیں دیکھا[2]

دشمن کی زبان پر اس ذات کی شرافت و کرامت کا قصیدہ ہے جس کے خلاف چند زرخرید مفکرین، مفاد پرست افراد ہر روز ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں مگر دنیا خوب جانتی ہے کہ ان ہفوات سے خود انکے کردار کی پلیدی آشکار ہو جاتی ہے ایوان عظمت کردار و سیرت مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رونقیں ماند نہیں پڑتی ہیں۔

سیرت کا ابر رحمت مومن و مشرک، کافر و منافق، دوست و دشمن پر یکساں برستا رہا، یہودی کا بچہ بھی اگر درد سے تڑپتا تو ”طبیب دوار بطبہ“ کا مصداق وہاں حاضر ہو جاتا، لشکر منافقین کا سردار عبد اللہ ابن ابی ابن سلول کی اہانت و تحقیر کا

---

[1] طبقات کبری، ج ۲، ص ۱۶۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۲، ص ۲۶۴

[2] پیامبر اعظم از نگاہ قرآن واہل بیت، ص ۱۷۱

حکیمانہ انداز سے مقابلہ کیا، سورہ منافقون کا نزول اور نتیجہ میں سردار منافقین کی رسوائی آنحضرت کی دور اندیشی اور صلح پسندی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اگر انتقامی جذبہ سے متاثر ہو کر کوئی اقدام کرتے تو تاریخ کا انداز بیان بدل جاتا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مہر و عطوفت، رافت و رحمت کے ساتھ ساتھ صلابت و قاطعیت، تسامح سے دوری بھی لازم و ضروری ہے کیونکہ رافت و رحمت محض دشمنوں کو حرص و آز کا خوگر بنا دیتی ہے اور دشمن ہر آن اس کا غلط فائدہ اٹھانے کی فراق میں رہتا ہے جس کے نتیجہ میں قومی انیت، سماجی فساد لوگوں کا چین و سکون گارت کر دیتے ہیں، حقوق انسانی، اموال عمومی کے معاملہ میں کسی قسم کی رواداری سے کام نہیں لیتے تھے، اچھا برتاؤ یقینا قابل تعریف ہے مگر کہاں کونسا انداز اختیار کرنا چاہئے یہ جاننا بھی ہماری ذمہ داری ہے کیونکہ زمان و مکان، حالات کے پیش نظر اچھائی برائی میں تبدیل ہو سکتی ہے ہر جگہ عفو و درگذر اچھا نہیں ہے اور نہ ہی ہر جگہ سختی بری ہے، حکیم و دانا مواقع کی نزاکت کو جانتے و پہچانتے ہیں اور سرکار رسالتمآب ﷺ تو حکیم مطلق کا اولین شاہکار حکمت تھے وہ کیسے ان باریکیوں سے بے خبر رہے ہوں گے۔

جنگ کا ہنگامہ ہو یا صلح کے سرور آمیز لمحات کفار و مشرکین کے رؤسا سے نرمی و مہربانی سے پیش آتے اور صحابہ کرام کو بھی اس طرز عمل کو اپنانے کی تاکید فرماتے ارشاد ہوتا ہے: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ[1] اگر کسی قوم و قبیلہ کا سردار آئے تو اسکی تکریم و تعظیم سے دریغ نہ کرنا۔ شاید راز یہ رہا ہو کہ عزتیں اسے اپنے توہین آمیز رویہ سے متنفر کر کے اسلام کا گرویدہ بنا دے، فتح و کامرانی کے بعد لا تثریب علیکم الیوم {آج تم پر کسی قسم کی ملامت نہیں ہے} کا نعرہ آج بھی دنیا کے پر فاتح حکمراں کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ ہزیمت خوردہ دشمن پر سختیاں، شکنجہ، قید و بند رسالتی و عصمتی طرز عمل نہیں دنیا پرست، مذہب بے زار سلاطین و حکام کا طریقہ کار ہے۔

عصر حاضر میں اسلام نہایت ہی نازک دور سے گزر رہا ہے، دشمن طاقتوں کی یلغار، دوست نما دشمنوں کی بے جا شدت پسندی، طاغوتیت کے عفریتی پنجوں کی گرفت نے عالم اسلام کو بے بسی کے آنسو رلا دیئے ہیں مگر دوسری طرف مغربی مما لک میں اسلام کی روز افزوں مقبولیت، آئین اسلامی کی بالادستی کا اعلان بھی کر رہی ہے، ضرورت ہے ایسے دور میں سیرت مرسل اعظم ﷺ کے اجتماعی، سیاسی، سماجی، داخلی و خارجی، جنگی اخلاق کے مختلف گوشوں کو مختلف النوع ذرائع ابلاغ کے سہارے متین و متقن انداز میں پیش کیا جائے، عملی طور پر اس اسوہ حسنہ کے زیر سایہ زندگی بسر کر کے دنیا کو روشناس کرایا جائے کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ کل انسانیت کے راہنما تھے، ہیں اور رہیں گے۔

---

[1] سنن ترمذی باب ۸ ح ۱۲/ ۳۷

شیعیانِ عالم کے لئے گیارہویں امامؑ کی اہم ہدایات!

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا　　بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی　　مسیح و خضر سے اُونچا مقام ہے تیرا

ابو محمد حسن ابن علی، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی ہدایات میں اپنے چاہنے والوں کو خاص کر اپنے شیعوں کو چند ایسے اخلاقی اور تربیتی اصول کی رعایت اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جس سے انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور اسے گھر و خاندان اور معاشرے میں باعظمت، محترم اور باکمال بنا کر اس کی سعادت و کمال کا راستہ ہموار کرتا ہے۔

جانشینِ رسولؐ، نیّر برج امامت و ولایت، جلوۂ اَنوارِ ہدایت، مرقاتِ معارجِ حقیقت، حافظِ مفتاحِ سعادت، کشفِ غطاءِ جہالت، اقامتِ حدودُ و احکام، تعدیلِ ارکانِ اسلام، قائدِ فوجِ اسلام، انسانِ عینِ وجود، دلیلِ کعبۂ مقصود، مُنادیِ طریقِ رشاد، سراجِ اقطارُ و بلاد، آبروئے چشمۂ خورشید، چہرۂ افروزِ ہلالِ عید، نورِ نگاہِ شُہود، مقبولِ ربِّ وَدود، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام 8 ربیع الثانی سن 232 ہجری قمری بروز جمعہ مدینہ منورہ میں جناب حدیثہ خاتون کے بطن مبارک سے متولد ہوئے۔ آپؑ کی ولادت کے بعد آپؑ کے والد گرامی حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکھے ہوئے نام، حسن بن علی سے موسوم کیا۔

آپؑ کا لقب ''عسکری'' اس لیے زیادہ مشہور ہوا کہ آپؑ جس محلے میں بمقام سر من رائے رہتے تھے اسے ''عسکر'' کہا جاتا تھا اور بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے اس مقام پر لشکر جمع کیا تھا اور خود بھی قیام پذیر تھا تو اسے ''عسکر'' کہا جانے لگا تھا، متوکل نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو مدینہ سے بلوا کر یہیں مقیم رہنے پر مجبور کیا اور آپؑ یہیں زندان میں کئی بار زہر سے مسموم بھی ہوئے اور اس کی دلیل حضرت امام صادقؑ کی ایک روایت ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں:"واللہ مامنّا الامقتول شہید"!

امام حسن عسکری علیہ السلام 254 سے 260 ہجری تک 6 سال کی مدت امامت کے فرائض انجام دیئے اور اپنی زندگی کے مشکل ترین ایام تین غاصب خلفاء (معتز، مہتدی اور معتمد) کی سخت نگرانی میں گزارے۔

آپؑ کے فضائل و کمالات،علم و دانش، تقوی و طہارت، خدمت خلق،انسان دوستی،دشمنوں کے مقابل بے مثال شجاعت و بہادری اور سختیوں پر صبرو استقامت کی گواہی اپنے پرائے، معتقدین اور غیر معتقدین، موافقین و مخالفین سب دیتے ہیں۔

جیسا کہ محمد بن طلحہ شافعی (متوفی 652ھ): نے کتاب مطالب السؤول میں حضرت امام حسن عسکریؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ: ابو محمد حسن ابن علی، امام حسن عسکریؑ انکے فضائل و مناقب ایسے بلند و عالی تھے کہ جو خداوند عالم نے ان کو عطا کئے تھے۔ وہ ایسے زندہ فضائل تھے کہ زمانہ بھی ان کو پرانا نہ کر سکا اور اپنوں و غیروں کی زبانوں سے وہ فضائل فراموش نہ ہو سکے۔[1]

ترا لہجہ، ترا جلوہ ترا انداز بیاں.... تجھ میں خالق نے ہر اک چیز جدا رکھی ہے

عباسی حکومت کا دور اور خصوصاً امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ، بد ترین ادوار میں سے ایک دور تھا۔ کیونکہ بنی عباس کے حکمرانوں کی کنبہ پروری، عیاشی اور ظلم و ستم نیز لوگوں کے مسائل سے ان کی غفلت و بے توجہی اور دوسری طرف سے دیگر اسلامی علاقوں میں غربت و افلاس کے پھیلاؤ کی وجہ سے بہت سی اعلیٰ دینی اور اخلاقی اقدار کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا بنا بر این، اگر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی دن رات کی کوششیں نہ ہوتیں تو عباسیوں کی سیاست کی وجہ سے اسلام کا نام بھی ذہنوں سے مٹ جاتا۔ اگرچہ امامؑ براہِ راست عباسی حکمرانوں کے زیر نظر محصور تھے، لیکن آپؑ نے ہر اسلامی سرزمین پر اپنے نمائندے مقرر کئے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے حالات سے آگاہ رہتے، خاص کر اپنے چاہنے والوں کی اخلاقی و فکری تربیت کے ساتھ ساتھ شیعوں کے دینی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل، یا زمانۂ غیبت کے سلسلہ سے شیعوں کی آمادگی، ان کے فکری اور عقیدتی شبہات کا ازالہ کرتے اور اپنے نمائندوں کے ذریعے ان کی مشکلات کو دور کرتے رہتے تھے۔ اُن نمائندوں میں عثمان بن سعید آپؑ کے خاص نمائندوں میں سے تھے۔ جو آپؑ کی شہادت (8 ربیع الاول سنہ 260ھ) کے بعد غیبت صغریٰ کی ابتدا میں امام زمانہ (عج) کے پہلے نائب خاص بھی رہے ہیں۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی ہدایات میں جو اخلاقی، تربیتی اور تعلیمی فضائل و کمالات کی رعایت اور اس پر عمل کرنے کی جو سفارشات اپنے چاہنے والوں سے کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

"أُوصيكُمْ بِتقْوَي اللّهِ وَ الْوَرَعِ في دينِكُمْ وَالاَْجْتَهادِ لِلّهِ وَ صِدْقِ الحديثِ وَ أَداءِ الْأَمانَةِ إِلي مَنِ ائْتَمَنكُمْ مِنْ بَرٍّ أَوْ فاجِرٍ وَ طُولُ السُّجُودِ وَ حُسْنِ الجوارِ. فَبِهذا جاءَ محمدﷺ صَلُّوا في عَشائِرِهِمْ وَ اشْهَدُوا جَنائِزَهُمْ وَ عُودُوا مَرْضاهُمْ وَ أَدُّوا حُقُوقَهُمْ، فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنكُمْ إِذا وَرَعَ

[1]. مطالب السؤول فی مناقب آل الرسولؑ، ص475-476

فِي دينِهِ وَ صَدَقَ فِي حَدِيثِهِ وَ أَدَّي الأَمانَةَ وَ حَسَّنَ خُلُقَهُ مَعَ النّاسِ قيلَ: هذا شيعِيٌّ فَيَسرُني ذلِكَ. إِتَّقُوا اللّهَ وَ كُونُوا زَيْنًا وَ لا تكونُوا شَيْنًا، جُرُّوا إِلَيْنا كُلَّ مَوَدَّةٍ وَ ادفَعُوا عَنّا كُلَّ قَبيحٍ، فَإِنَّهُ ما قيلَ فينا مِنْ حَسَنٍ فَنَحْنُ أَهْلُهُ وَ ما قيلَ فينا مِنْ سُوءٍ فَما نحنُ كَذلِكَ. لَنا حَقٌّ في كِتابِ اللّهِ وَ قَرابَةٌ مِنْ رَسُولِ اللّهِ وَ تَطْهيرٌ مِنَ اللّهِ لا يَدَّعيهِ أَحَدٌ غَيرُنا إِلاّ كَذّابٌ. أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللّهِ وَ ذِكْرَ الْمَوْتِ وَ تِلاوَةَ الْقُرانِ وَ الصَّلاةَ عَلَي النَّبِيِّ(ﷺ) فَإِنَّ الصَّلاةَ عَلي رَسُولِ اللّهِ عَشرُ حَسَناتٍ، إِحْفَظُوا ما وَصَّيْتُكُمْ بِهِ وَ أَستَوْدِعُكُمُ اللّهَ وَ أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلامَ۔"

میں تم کو تقوی الٰہی، اپنے دین میں پرہیز گاری، خدا کی راہ میں کوشش کرنے، سچ بولنے، امانت کو ادا کرنے، چاہے وہ امانت کسی نیک شخص کی ہو یا کسی برے انسان کی، طولانی سجدے کرنے اور ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انہی چیزوں کی تبلیغ کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

اہل سنت کی نماز باجماعت میں نماز پڑھو اور انکے جنازوں میں شرکت کرو اور انکے مریضوں کی عیادت کرو اور انکے حقوق کو ادا کرو، کیونکہ تم میں سے جو بھی دین دار ہو، سچ بولنے والا ہو، امانت دار ہو اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آئے تو کہا جائے گا کہ: یہ شخص شیعہ ہے، اور یہ وہ کام ہیں کہ جو مجھے خوشحال کرتے ہیں۔ تقوی اختیار کرو، ہمارے لیے باعث زینت بنو نہ باعث ننگ و عار۔ کتاب خدا میں ہمارے لیے حق اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قرابت ہے اور خداوند نے ہمیں پاک و معصوم قرار دیا ہے، ہمارے علاوہ جو بھی اس مرتبے کا دعوی کرے گا، وہ حتمی طور پر جھوٹا ہوگا۔ خداوند عالم اور موت کو زیادہ یاد کیا کرو اور قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات پڑھا کرو کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات پڑھنے کی دس نیکیاں ہیں۔۔۔[1]

یقیناً! متقی و پرہیز گار ہونا، دین میں تقوی و ورع کا رکھنا اور احکام و قوانین الٰہی کا خیال رکھنا اور ان پر عمل کرنا دینی تعلیمات کا پہلا اصول اور آخری ہدف ہے۔ یہ وہ بیش بہا نعمت ہے جو خالق کو مالک حقیقی اور ایک انسان کو دوسرے انسان سے نزدیک سے نزدیک تر کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ خدا کے منتخب کردہ افراد[2] خدا کی راہ میں جد و جہد کرنے والے ہوتے ہیں انہی افراد میں محمد و آل محمد (علیہم السلام) جیسی بلند و بالا ہستیاں بھی شمار ہوتی ہیں جو خدا

---

[1] ۔ بحار الانوار- جلد 75- صفحہ 372 باب 29

[2] ۔ سورہ الحج، 78/22 اور سورہ عنکبوت، 69/29 کی طرف رجوع کریں۔

کی راہ میں سعی، کوشش اور عمل کرنے والے لوگ رہے ہیں لہذا انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بھی سستی، کاہلی، غفلت و بے توجہی، دینی و دنیوی معاملات و مسائل سے پہلوتہی اور دشمن کے بیجا خوف و ہراس سے روکا ہے اور انہیں ہر ممکن کوشش و عمل کی طرف دعوت دی ہے۔

تیرے افکار ابد تک نہ مریں گے ہرگز رہ نما ہے ترا نقشِ کفِ پا تیرے بعد

امام عسکری علیہ السلام نے لوگوں کو راہ خدا اور خدا کے لیے جد و جہد کی دعوت دی ہے اور انہیں رفتار و گفتار میں حق و صداقت کی تلقین کرتے ہوئے جھوٹ اور تصنع سے بچنے اور ہر حال میں خدا سے لو لگائے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے کہ یہ وہ عظیم مرتبہ اور ایک ایسی بہترین فضیلت ہے جس سے ہر ایک مسلمان خاص کر شیعیان آل محمدؐ کو آراستہ اور شناختہ ہونا چاہیے۔ آپؑ نے اپنے چاہنے والے شیعوں کے صفات میں یہ چند چیزیں بیان فرمائی ہیں: شيعَتُنا الْفِئَةُ النّاجِيَةُ وَالْفِرقَةُ الزّاكِيَةُ صارُوا لَنا رادِئًا وَصَونًا وَعَلَي الظَّلَمَةِ أَلْبًّا وَعَونًا سَيَفْجُرُلَهُمْ يَنابيعُ الحَيَوانِ بَعْدَ لَظَي مُجْتَمَعِ النِّيرانِ أَمامَ الرَّوْضَةِ. ہمارے شیعہ نجات یافتہ اور پاک گروہ ہے کہ جو ہمارے دین شیعہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، وہ ظالمین کے مقابلے پر ڈھال اور ہمارے مددگار ہیں۔ بہت جلد انکے لیے مصائب و مشکلات کے بعد حیات بخش چشمے پھوٹیں گے۔

اگر ہم اس پر آشوب دور اور افرا تفری کے ماحول میں اپنے گھر و خاندان اور ملک و معاشرے میں دین، عقائد اور اخلاق جیسے شعبوں میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی سفارشات، ہدایات، اصول و احکامات کو نافذ کریں تو یقیناً ہم آپسی خلیج و خلا کو پُر کرتے ہوئے ترقی اور سعادت و کمال کی منزلوں کو طے کرسکتے ہیں۔

فی الوقت معاشرہ میں بگاڑ کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں ایک وجہ لوگوں کا معارف اہل بیتؑ سے عدم آگہی ہے اگر لوگ معارف اہل بیتؑ کی خوبصورتیوں سے آگاہ ہو جائیں تو یقیناً! ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی حسب ذیل ہدایات تمام مسلمانوں خاص کر ہر ایک شیعیان اہل بیتؑ کا وطیرہ ہونا چاہیے:

۱- تقویٰ اور پرہیز گاری:

تقویٰ و پرہیز گاری اور دین میں متقی و محطاط ہونا، احکام الٰہی کا خیال رکھنا اور ان پر عمل کرنا دینی تعلیمات کا پہلا اصول اور آخری ہدف ہے تقوی انسانی روح کی ایک کیفیت یا حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو روحانی اور اخلاقی طور پر برے کاموں سے روکتی ہے جیسا کہ امام فرماتے ہیں: أَوْرَعُ النّاسِ مَنْ وَقَفَ عِنْدَ الشُّبْهَةِ، أَعْبَدُ النّاسِ مَنْ أَقامَ عَلَي

الْفَرائِضِ أَزْهَدُ النّاسِ مَنْ تَرَكَ الحرامَ،أَشَدُّ النّاسِ اجْتِهادًا مَنْ تَرَكَ الذُّنُوبَ. پرہیز گار ترین انسان وہ ہے کہ جو شک و شبہے کے وقت رک جاتا ہے، عابد ترین انسان وہ ہے کہ جو واجبات کو انجام دیتا ہے، زاہد ترین انسان وہ ہے کہ جو حرام کو ترک کرتا ہے، سب سے زیادہ کوشش کرنے والا انسان وہ ہے کہ جو گناہوں کو ترک کرتا ہے۔[1] نیز آپؑ نے فرمایا: مَنْ كانَ الْوَرَعُ سَجِيَّتَهُ،وَ الْكَرَمُ طَبيعَتَهُ،وَ الحِلْمُ خُلَّتَهُ كَثُرَ صَديقُهُ. جو بھی پرہیز گار ہو اور جو بھی بخشش و کرم کرنے والا ہو اور جو بھی حلم و بردباری کرنے والا ہو تو ایسے انسان کے دوست بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

قرآن و احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان، تقویٰ، ہدایاتِ الٰہی کی پیروی، تزکیہ نفس اور دین حق کے غلبہ کے لئے اجتماعی جد و جہد کرنے والے لوگ ہی فلاح پائیں گے۔ ”یہی لوگ (جنت کے) وارث ہیں، یہ لوگ جنت کے سب سے اعلیٰ باغات (جہاں تمام نعمتوں، راحتوں اور قربِ الٰہی کی لذتوں کی کثرت ہو گی ان) کی وراثت (بھی) پائیں گے، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔“ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اللہ کے نزدیک انسان کی قدر و قیمت رنگ و نسل سے نہیں اخلاق و کردار سے بنتی ہے، کیونکہ رنگ و نسل میں انسان کے عمل اور کردار کا دخل نہیں ہے۔ جو چیز انسان کے دائرہ اختیار میں ہو اس کے مطابق انسان کی قدر بڑھتی گھٹتی ہے اور وہ میزان تقویٰ ہے جس سے انسان کی قیمت بنتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: اَحَبُّكُمْ اِلَى اللّٰهِ اَكْثَرُكُمْ لَهُ ذِكْراً وَاَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ وَ اَنجاكُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَشَدُّكُمْ لَهُ خَوْفاً۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ جو اللہ کا زیادہ ذکر کرتا ہے اور سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہے اور تم میں عذاب سے بچنے والا ہونے میں بہتر وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہے۔[2]

۲- خدا کی راہ میں جد و جہد

اہل بیت اطہار علیہم السلام نے خدا کی راہ اور اس کے دین کے احیاء و تجدید اور اس روئے زمین پر قیامِ امن اور تکریمِ اِنسانیت کے لیے انتہائی جد و جہد اور مشقتیں برداشت کی ہیں اور اپنے چاہنے والوں سے بھی اس کی وصیت و نصیحت کی اور اس امر میں کسی بھی قسم کی سستی و کاہلی، غفلت و بے توجہی اور پہلوتہی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ

---

[1] ۔ تحف العقول، ص489

[2] ۔۔ مستدرک الوسائل ۱۱:۱۷۵

الزَّکٰوۃِ وَکَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ۔اور ہم نے انہیں (انسانیت کا) پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف اعمالِ خیر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے (کے احکام) کی وحی بھیجی اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔[1]

وَجَاھِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ،ھُوَ اجۡتَبٰکُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ...۔اور اللہ کی راہ میں جہاد (سعی و کوشش) کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے،اس نے تمہیں منتخب فرمایا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔[2]وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا ۔اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (اور مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں[3]...۔

۳-صدق و سچائی

اس میں کوئی شک نہیں کہ صدق و سچائی،ایک اعلیٰ صفت اور صاحبان ایمان کی پہچان ہے،انسانی اخلاق و کردار کا تعین انسان کے گفتار و معاملات سے ہوتا ہے۔جو انسان ہمیشہ سچ بولتا ہے،وہ فاتح اور کامیاب رہتا ہے۔وقتی مشکلات کے باوجود صدق و سچائی،انسان کو نجات و عافیت کی منزل پہ لے جاتی ہے۔جھوٹا آدمی وقتی طور پر کچھ فوائد حاصل کر بھی لے تو اس کا جھوٹ بالآخر اسے ہلاکت کے گڑھے میں لے ڈوبتا ہے۔آج عجیب افراتفری کا عالم ہے ہر شخص جھوٹ کا عادی اور سچائی سے عاری ہے جس معاشرے میں جھوٹ کا چلن عام ہو جائے اور سچائی دم توڑ جائے،اس میں جرائم کی کثرت لازمی امر ہے۔باہمی احترام اور محبت جھوٹ کی آگ میں خاکستر ہو جاتے ہیں۔اس کے مقابلے میں سچائی جرائم کو کنٹرول کرنے اور امن و امان کے قیام کے لیے بہترین اکسیر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو،اللہ کا تقویٰ اختیار کرو،سیدھی اور سچی بات کیا کرو،اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے،بس وہی عظیم کامیابی کا مستحق ہے"[4]۔

---

[1] ۔الانبیاء،73/21

[2] ۔الحج،78/22

[3] ۔العنکبوت،69/29

[4] ۔الاحزاب33/70-71

صدق و سچائی کے راستہ پر ڈٹے رہنے اور جھوٹ جیسی خباثتوں سے دور رہنے کی نصیحت اس لئے ہے کہ جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ اور تمام خباثتوں کی کنجی ہے لہذا امام نے فرمایا: جُعِلَتِ الخبائِثُ في بَيْت وَ جُعِلَ مِفْتاحُهُ الْكَذِبَ. تمام نجاستوں کو اگر ایک گھر میں قرار دیا جائے تو اسکی چابی کو جھوٹ قرار دیا جائے گا۔[1]

آئیے ہم عہد کریں کہ ہمیشہ سچ بولیں گے اس لئے کہ سچ بولنا اور اس پر قائم رہنا شیوۂ ایمانی بھی ہے اور سچے امامؑ کا سچا پیرو کار ہونے کا ثبوت بھی۔

۴- امانت داری

دینِ اسلام انسانی حقوق کا سب سے بڑا داعی اور اس کا محافظ ہے، یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام ان اعمال و افعال کا حکم دیتا ہے جن کے ذریعے انسانی حقوق کی حفاظت ہو۔ ایسے ہی افعال میں سے ایک "امانت داری" بھی ہے۔ جو لوگ امانت داری کے وصف سے آراستہ ہوتے ہیں اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی بر وقت ادائیگی کرتے ہیں وہ لوگوں میں پسندیدہ اور قابلِ تعریف ہوتے ہیں۔

امانت داری ایمان والوں کی بہترین صفت ہے اور ایک مسلمان خاص کر اہل بیتؑ کے چاہنے والے کا امانت دار ہونا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: جو امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

لہذا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ: امانت کسی کو واپس کرنا خواہ وہ اچھا ہو یا برا، اپنا ہو یا پرایا، مسلم ہو یا غیر مسلم، شیعوں کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے اور وہ اس وصیت پر اصرار کرتے ہیں۔

آج کل ہم سمجھتے ہیں کہ امانت داری کا تعلق صرف مال سے ہے اور اگر کسی نے ہمارے پاس کوئی مال رکھوایا تو اس کی حفاظت کرنا اور اسے وقت پر مکمل طور پر واپس کر دینا ہی امانت داری ہے۔ یہ بات دُرست ہے لیکن جس طرح یہ امانت ہے اسی طرح اور بھی بہت ساری چیزیں امانت میں داخل ہیں، ہمیں امانت داری کی وسعتِ مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے خدا اور اس کے بندوں کے وہ حقوق جو ہمارے ذمے ہوں اور ان کی حفاظت و ادائیگی ہم پر لازم ہو انہیں امانت کہتے ہیں۔ اب نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خمس و زکوٰۃ دینا، حج کرنا، سچ بولنا اور دیگر نیک اعمال ادا کرنا بھی امانت ہے۔

---

[1] ۔ بحار الانوار، ج78، ص377

اسی طرح انسان کے اعضاء مثلاً زبان، آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ بھی اللہ پاک کی امانت ہیں اور ان اعضاء کو گناہوں اور فضولیات سے بچانا ان اعضاء کے معاملے میں امانت داری ہے۔ یوں ہی دوسرے کے راز کی حفاظت کرنا، پوچھنے پر دُرست مشورہ دینا، مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کرنا، مزدور اور ملازم کا اپنا کام مکمل طور پر پورا کرنا بھی امانت داری میں داخل ہے۔

ہمیں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ امانت میں خیانت کرنے والا بد عقیدہ ہوتا ہے جیسا کہ مولائے متقیانؑ نے فرمایا: بدگمان آدمی حتی اس شخص کہ ساتھ خیانت کرنے کو روا سمجھتا ہے جس نے اس کے ساتھ امانت داری سے کام لیا ہو۔

قرآن و حدیث میں امانت داری کی بڑی اہمیت ہے ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا، بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو۔

۵-طولانی سجدہ

اسلام میں خدا کے حضور سجدہ، اہم ترین عبادات میں سے ایک ہے اور روایات کے مطابق انسان سجدہ کی حالت میں دیگر حالات کی نسبت اللہ سے قریب ترین ہوتا ہے "سجدہ انسانی عروج کا اعلی ترین مرحلہ ہے" اس لئے محمد و آل محمد علیہم السلام طولانی سجدے کیا کرتے تھے اور اپنے چاہنے والوں سے اس کی تاکید بھی فرمائی ہے اور اسے شیعوں کی نشانی بھی قرار دیا ہے۔

پروردگار کے لئے طولانی سجدہ انسان کی روح و جان کو متعالی بناتا ہے اس لئے کہ سجدہ بارگاہ خداوندی میں خضوع اور عبودیت کی نشانی ہے، اسی وجہ سے نماز کی ہر رکعت میں دو سجدوں کا حکم دیا گیا ہے، سجدہ شکر اور قرآن کے مستحب اور واجب سجدے، سجدہ خالق کے واضح مصادیق میں سے ہیں۔ انسان سجدہ کی حالت میں خدا کے سوا ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور اپنے آپ کو حق سے نہایت نزدیک پاتا ہے۔

عرفا اور معلمین اخلاق نے سجدہ کی بڑی تاکید کی ہے، جو معروف حدیث کی بہترین دلیل ہے کہ سجدہ سے زیادہ کوئی بھی چیز شیطان کو پریشان نہیں کرتی اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: اگر تم قیامت میں میرے ساتھ محشور ہونا چاہتے ہو تو پھر خدائے قہار کے لئے طولانی سجدہ کرو۔

۶-پڑوسیوں کا احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک

سورہ نسامیں ارشاد خداوندی ہے کہ ”تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، اور رشتہ داروں، اور یتیموں، اور محتاجوں (سے)، اور نزدیکی ہمسائے، اور اجنبی پڑوسی، اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (سے بھی حسن سلوک کرو)“[1]

موجودہ دور میں ہمارا معاشرہ اور ہم جس چیز سے غافل ہیں وہ پڑوسیوں کا احترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک ہے لہذا امامؑ نے اپنے شیعوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کا احترام کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان کی عزت کریں اور ان کے حقوق کا احترام کریں، اور پڑوسیوں کے دکھ درد اور پریشانیوں سے آگاہ رہیں اور ان کی مدد کریں اور ان کی ضروریات کو پورا کریں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اسلام بُرے کے ساتھ بُرا بننے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صبر اور حُسنِ تدبیر کے ساتھ اُس بُرے ”پڑوسی“ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ترغیب ارشاد فرماتا اور اس بُرے سُلوک پر صبر کرنے والے کو رضائے الٰہی کی نوید بھی سناتا ہے۔ جیسا کہ رسولُ خدا ﷺ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تین طرح کے لوگوں سے مَحبّت فرماتا ہے (ان میں سے ایک وہ ہے) جس کا بُرا ”پڑوسی“ اسے تکلیف دے تو وہ اُس کے تکلیف دینے پر صبر کرے...

حضرت امام حسن عسکری نے فرمایا: مِنَ الْفَواقِرِ الَّتي تَقْصِمُ الظَّهْرَ جارٌإنْ رَأي حَسَنَةً أَطْفَأَها وَ إنْ رَأي سَيِّئَةً أَفْشاها. انسان کی کمر توڑ مصیبتوں میں سے ایک، ایسا ہمسایہ ہے کہ جو اگر کسی نیکی کو دیکھے تو اسے مخفی کرے اور اگر کسی برائی کو دیکھے تو اسے لوگوں میں ظاہر کرے۔

دور حاضر میں اگر ہم اپنے مُعَاشَرے کو پُر سکون اور اَمن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے ”پڑوسیوں“ کے متعلق قرآن و اہل بیتؑ کے احکامات پر عمل کریں تو ہر ایک اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کو محفوظ سمجھنے لگے گا۔

۷- اہل بیتؑ کی زینت و خشنودی کا سبب!

حضرت امام حسن عسکریؑ نے اپنی ہدایات میں شیعوں کو صفات رذیلہ و ذمیمہ سے پاک ہو کر صفات حمیدہ سے متصف ہونے کو شیعہ ہونے کی اصل نشانی اور اہل بیتؑ کی زینت و خشنودی کا سبب جانا ہے اور یہی قرآن کا بھی اٹل فیصلہ ہے کہ وہی شخص کامیاب اور بامراد ہے جو اپنے آپ کو پاک و منزہ کرے، خود کو خصائل حمیدہ کا پیکر بنالے تو یہی اس کی معراج اور اس کے ارتقاء کا ذریعہ ہے۔

---

[1] ۔النساء:36

اسلام نے کسب دنیا سے منع نہیں کیا ہے بلکہ دنیا کی محبت دل میں بسا لینے اور دنیا طلبی میں حقوا اللہ اور حقوق العباد کو پس پشت ڈال کر آخرت سے غافل ہونے سے ضرور روکا ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں: ہمارا شیعہ طالب دنیا نہیں ہوتا بلکہ ہمارے شیعہ اللہ کی معرفت رکھنے والے، اس کے حکم پر عمل کرنے والے، صاحبانِ فضل و کمال، سچ بولنے والے ہوتے ہیں ان کا کھانا بقدر ضرورت، ان کا لباس درمیانی اور ان کی رفتار متواضع ہوتی ہے جو راہ خدا میں سعی و کوشش اور راہ محبت میں ایک دوسرے پر خرچ اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہیں ہمارے شیعہ ہمارے دین و مشن کو زندہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے حسن سلوک و ملاقات کرنے والے ہوتے ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ غصہ آجائے تو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور خوشحال ہوتے ہیں تو اسراف اور امانت میں خیانت نہیں کرتے، اپنے ہمسائے کے لئے سراپا رحمت اور اپنے ساتھیوں کے لئے امن و سلامتی کا پیکر ہیں۔[1] ہم ایک پاکیزہ طینت سے خلق ہوئے ہیں لہذا جب قیامت کا دن ہوگا تو انہیں ہمارے ساتھ ملا دیا جائے گا۔[2]

''کونوا لنا زیناً ولا تکونوا علینا شیناً'' ہمارے لئے باعث زینت بنو ننگ و عار کا سبب نہ بنو۔[3]

امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے شیعوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کے لئے زینت کا باعث بنیں ننگ و عار کا سبب نہ بنیں کیونکہ جب وہ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں گے اور اسلامی ادب سے سنور جائیں گے تو لوگ اہل بیت کی مدح کریں گے اور یہ کہیں گے انہوں نے اپنے شیعوں کی کتنی اچھی تربیت کی ہے اور جب لوگ شیعوں کے لین دین، بد اخلاقی ان کے غلط برتاؤ، حدودِ خدا اور اس کے حلال و حرام سے ان کی لاپروائی کو دیکھیں گے تو، ان کی وجہ سے وہ اہل بیتؑ پر بھی نکتہ چینی کریں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اے شیعو! تم کو ہم سے نسبت دی جاتی ہے پس تم ہمارے لئے باعثِ زینت بنو، ہمارے لئے ننگ و عار کا سبب نہ بنو۔[4] نیز آپؑ ہی سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اے عبد الاعلیٰ انہیں (یعنی شیعوں کو) ہمارا سلام کہہ دینا خدا ان پر رحم کرے اور یہ کہہ دینا کہ امام نے یہ کہا ہے: خدا رحم کرے اس بندے پر کہ جس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف بھی مائل کیا اور ہماری طرف بھی اور وہ ان کے سامنے ایسی ہی چیز کو بیان کرتا ہے جس کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے سامنے ایسی چیز کا اظہار نہیں کرتا جس کو برا سمجھتے ہیں۔[5]

---

[1] ۔ اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶/۲۴ صفات الشیعہ ص ۹۱/۲۳ تحف العقول ص ۲۰۰

[2] ۔ امالی طوسی ۱۷۶/۱۸۹

[3] ۔ امالی طوسی: ج ۲ ص ۵۵ بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۵۱، مشکاۃ الانوار: ص ۶۷

[4] ۔ مشکاۃ الانوار: ص ۶۷

[5] ۔ بحار الانوار: ج ۲ ص ۷۷

۸- غیروں کے ساتھ خوبصورت رفاقت اور اچھے روابط

جس طرح سے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم دین کے دیگر کاموں کو پابندی سے کریں اسی طرح سے یہ بھی لازم ہے کہ جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں اس کی اصلاح اور اس کی خیر سگالی کے لئے بھی تگ و دو کریں۔ اخلاقیات، معاملات میں جس طرح سے ہم اصول کے پابند ہوتے ہیں اگر معاشرت میں بھی اصول کے پابند رہیں تو ہماری زندگی بہتر سے اور بہتر ہو سکتی ہے۔ یعنی جس سوسائٹی میں ہم رہ رہے ہوں اس کا خیال رکھنا دوسروں کو تکلیف نہ پہونچانا، دوسروں سے اچھا برتاؤ کرنا وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہے یہ وہ نرم طاقت ہے جو مقامی اور بین الاقوامی برادری کی مربوط شمولیت کے مواقع پیدا کرتی ہے اور یہی در حقیقت بقائے کائنات کا ضامن ہے۔ ہر دور سے زیادہ عصر حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی کے ساتھ رواداری، پر امن بقائے باہمی خاص کر امت مسلمہ کے درمیان الفت و محبت، اتحاد و یکجہتی اور ایک دوسرے سے اچھے روابط شیعہ آیڈیالوجی کا ایک اہم حصہ اور دین اسلام کا بنیادی درس ہے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام شیعوں کو ملک و سماج کے دیگر افراد (اہل سنت) کے ساتھ ربط و ارتباط میں چار چیزوں کا حکم دیتے ہیں:

- ان کی نماز باجماعت میں نماز پڑھو
- ان کے جنازوں میں شرکت کرو
- ان کے مریضوں کی عیادت کرو
- ان کے حقوق کو ادا کرو

آج عالم اسلام میں جو غیر انسانی اور غیر اخلاقی رویہ دیکھنے کو مل رہا ہے یا ہمارے درمیان جو مسلکی کشیدگی یا جو خلیج واقع ہے وہ در حقیقت اسلامی آدابِ زندگی اور حُسنِ معاشرت کے صحیح اصول سے دوری ہے جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، اسلام انسان کی پوری زندگی کو اخلاقی حدود کا پابند بناتا ہے اور ہر معاملے میں اس کو بہت ہی شریفانہ اور مہذب رویہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے اس لئے کہ معاشرت محبت سے قائم رہتی ہے، اگر محبت و رواداری، ایثار و فداکاری کا عنصر مفقود ہو جائے تو معاشرت میں شگاف پڑ جاتا ہے۔

حضرت امام حسن عسکریؑ نے جو چار چیزیں بیان فرمائی ہیں وہ بین المذاہب اتحاد و آپسی بھائی چارہ کی بنیادی باتیں ہیں اور ایسے بھی شیعہ اور سنی اسلام کے دو بنیادی اور بڑے مکاتب فکر ہی نہیں بلکہ شیعہ اور سنی اسلام کے دو توانا بازو ہیں ان کے

درمیان کسی بھی قسم کا تفرقہ و اختلافات کی آگ بھڑکانے والا نہ سنی ہے اور نہ ہی شیعہ ! بلکہ یہ اسلام مخالف قوت کا آلہ کار ہے جس سے ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

بن جائے تو اک صورت امکان بناؤ ہر دشتِ تمنا کو گلستان بناؤ
مسمار نہ ہوتے کبھی آثارِ دل و جان انسان سے رکھتا اگر انسان بناؤ
یاں بات نئے پیر بنانے کی نہیں ہے کچھ اور یہاں اپنے مریدان بناؤ

موجودہ دور میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تعلیم کردہ ہدایات ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے اور پر امن بقائے باہمی اور اقوامِ عالم اور مسلمانوں کے درمیان الفت و محبت ، آپسی اتحاد و یکجہتی ، حُسنِ معاشرت اور مفاہمت کے فروغ کا باعث بن سکتی ہیں، یاد رہے !اگر ہمارا وجود دوسروں کے لئے شمع ہدایت بنتی ہے تو ہم حقیقی معنوں میں شیعہ اور محبِ اہل بیتؑ کہلانے کے لائق ہیں اور اگر ہم دوسروں کے لئے باعث زحمت ہیں تو پھر ہمیں اپنے وجود پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ محبت کی پہچان مقدار سے نہیں معیار سے ہوتی ہے، محبتِ اہل بیتؑ ہی ہماری پہچان اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا اس پاکیزہ محبت کا بھرم دعوے سے زیادہ عمل کے ذریعہ رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ

میری پہچان ہے سیرت اُن کی میرا ایمان! محبت اُن کی

اللهم صل و سلم على الإمام الحادى عشر ،المقتدى الرضى المجتبى الوفى المقتفى فى العبادة آثار النبى و الولى و المسخر لعسكر الملائكة بالعزم القوى النورالجلى، البدر الوضى ذى القدر العلى... ”خدایا گیارہویں امام پر سلام اور صلوات بھیج، کہ جو پیشوا، خداوند ان سے راضی، خدا کے انتخاب شدہ، اپنے عہد پر وفا کرنے والے، اپنی عبادت میں رسول خداؐ کے آثار کی پیروی کرنے والے، خداوند کے ولی، پختہ و قوی عزم و ارادے کے ساتھ ملائکہ کے لشکر کو تسخیر کرنے والے، نور واضح خداوند، بلند و بالا مقام و مرتبہ رکھنے والے، انکی عزت و بزرگی انتہائی جلال و کمال والی ہے...“

نہیں ہے دین مکمل اگر امام نہیں وہ اور کچھ ہے مگر نعمتِ تمام نہیں
ادائے حق بیاں ہو زباں کا کام نہیں یہ ذکرِ آل محمدؐ ہے ذکرِ عام نہیں
سجی ہے کس کے لئے محفل مہ و انجم زمانہ کیسے ہے قائم اگر امام نہیں

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف امام حسن عسکری علیہ السلام کی نگاہ میں

سید علی ہاشم عابدی

چونکہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا دور امامت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے حضور اور آغاز غیبت سے متصل تھا اس لئے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے عصر غیبت کے لئے مومنین کو تیار کرنے میں مختلف حکمتوں کو عملی فرمایا تاکہ عصر غیبت میں مومنین جب اپنے مولا و آقا حجت خدا کے دیدار سے محروم ہوں تو بے چین اور پریشان نہ ہوں، مومنین راہ حق پر گامزن رہیں کسی طرح کا کوئی انحراف پیدا نہ ہو۔

آخری امید جہاں یعنی منجی عالم بشریت کا ظہور اسلام کے ان مسلمات میں سے ہے جس کی بشارت انبیاء، مرسلین اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے دی ہے جو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر امام معصوم نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نہ صرف اس مسئلہ کو بیان کیا ہے بلکہ ایمانی سماج کو اس کے لئے تیار بھی کیا ہے۔

ظاہر ہے جیسے جیسے غیبت کا زمانہ قریب آرہا تھا ائمہ معصومین علیہم السلام کی ذمہ داریاں بھی بڑھ رہی تھیں کیونکہ عالم اسلام کے امام و رہبر کی غیبت ایک غیر معمولی امر تھا اور اس پر یقین و تحمل کرنا اکثر لوگوں کے لئے انتہائی مشکل امر تھا لہذا اس کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا انتہائی ضروری تھا۔ اس لئے امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور امامت میں یہ امر انتہائی حساس تھا لہذا اس سلسلہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے مخصوص اقدامات کئے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں اور صراط مستقیم پر قائم رہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے چند اقدامات مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ امام مهدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا تعارف

امام حسن عسکری علیہ السلام کے اقدامات میں سے ایک حساس ترین اور اہم اقدام اپنے فرزند امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا عالم تشیع میں تعارف تھا۔ یہ مسئلہ اس لئے بھی حساس تھا کیونکہ دشمن امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو تلاش کر رہے تھے تاکہ ان کو شہید کر دیں۔ کیونکہ انہوں نے متعدد روایتوں سے جانا تھا کہ اہل بیتؑ کے خاندان میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو دنیا کو نجات دلائے گا اور دنیا کے تمام ظالموں اور ستمگروں کو شکست دے گا اور وہ اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کی طرح کبھی بھی کسی بھی ظالم کی بیعت نہیں کرے گا۔ لہذا امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ولادت کو روکنے کے لئے متعدد اقدامات کئے گئے۔ یہاں تک کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش بھی رچی گئی۔[1] لہذا روایات میں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی

---

[1] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد دو صفحہ 408

ولادت کو کلیم خدا حضرت موسی علیہ السلام کی ولادت سے تشبیہ دی گئی ہے۔[1] دوسری جانب شیعوں کو اپنے امام زمان اور حجت عصر کی معرفت بھی حاصل کرنی ہے اور حیرت اور جہالت سے نکلنا بھی ہے کہ ہر زمانے کی کے لوگوں پر اس زمانے کے امام کی معرفت حاصل کرنا اہم واجبات میں ہے اور جو بغیر معرفت امام کے اس دنیا سے چلا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس اہم ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا اور متعدد مقامات پر اپنے خاص شیعوں سے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا تعارف کرایا اور کبھی کبھی یہ تعارف اس حد میں ہوتا کہ صرف اپنے فرزند کی ولادت کی خبر دیتے اور فرماتے کہ یہی میرا بیٹا میرے بعد اللہ کی حجت ہو گا۔[2] کبھی کبھی اپنے خاص اصحاب کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت بھی کرائی۔ ذیل میں اس سلسلہ میں دو روایتیں پیش ہیں۔

الف۔ معاویہ بن حکیم کا بیان ہے: میں، محمد بن ایوب بن نوح اور محمد بن عثمان عمری سمیت 40 لوگ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیت الشرف میں تھے تو آپؑ نے ہم 40 لوگوں کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کرائی اور فرمایا:

"هَذَا إِمَامُكُمْ مِنْ بَعْدِي وَ خَلِيفَتِي عَلَيْكُمْ أَطِيعُوهُ وَ لَا تَتَفَرَّقُوا مِنْ بَعْدِي فِي أَدْيَانِكُمْ فَتَهْلِكُوا أَمَا إِنَّكُمْ لَا تَرَوْنَهُ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هَذَا" یہ میرے بعد تمہارا امام ہے اور تم پر میرا خلیفہ ہے، لہذا تم اس کی اطاعت کرو اور میرے بعد دین میں اختلاف نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، جان لو کہ آج کے بعد تم اسے نہ دیکھ سکو گے۔

معاویہ بن حکیم کہتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیت الشرف سے آئے ہوئے ہمیں چند دن ہوئے تھے کہ آپؑ کی شہادت ہو گئی۔[3]

ب۔ عش آل محمد حرم اہل بیت علیہم السلام قم مقدس کے رہنے والے جناب احمد بن اسحاق رضوان اللہ تعالی علیہ جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے محرم راز تھے، نے بیان کیا: میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ ان کے بعد جو جانشین ہیں ان کے بارے میں سوال کروں لیکن آپؑ نے خود گفتگو کا آغاز کیا اور فرمایا: اے احمد! اللہ تبارک و تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے کبھی بھی زمین کو اپنی حجت سے خالی نہیں چھوڑا ہے اور نہ قیامت تک حجت سے خالی

---

[1] بحار الانوار، جلد 51، صفحہ 221

[2] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد 1، صفحہ 328

[3] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد 1، صفحہ 434

رکھے گا، اسی حجت خدا کے سبب اہل زمین سے بلائیں دور ہوتی ہیں، بارش ہوتی ہے اور زمین اپنی برکتیں باہر نکالتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند! آپ کے بعد امام اور جانشین کون ہوگا؟ امام حسن عسکری علیہ السلام تیزی سے گھر میں داخل ہوئے اور واپس آئے تو آپؑ کی آغوش میں ایک تین سال کا بچہ تھا جس کا چہرہ چودھوی کی چاند کی طرح روشن و منور تھا پھر فرمایا: اے احمد بن اسحاق! میرے اس بیٹے کا نام اور کنیت وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا نام اور کنیت تھی۔ یہ وہی فرزند ہے جو زمین کو عدل و انصاف تھے اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ میں نے عرض کیا: "يا مَوْلَاي فهَلْ منْ عَلَامَةٍ يطْمَئِنُّ إِلَيهَا قَلْبِي فنَطَقَ الْغلَامُ (ع) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ فَصِيحٍ فقَالَ أَنا بَقِيةُ اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ وَ الْمنْتَقِمُ مِنْ أَعْدَائِهِ فَلَا تَطْلُبْ أَثَراً بَعْدَ عَين" اے میرے مولا! کیا کوئی نشانی ہے تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے؟ تو اس کم سن نے فصیح عربی زبان میں فرمایا: میں زمین پر بقیۃ اللہ اور اس کے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہوں۔ عین کو دیکھنے کے بعد اثر کی جستجو نہ کرو۔ (یعنی جب امام علیہ السلام کی زیارت کر لی تو ان کی نشانی تلاش نہ کرو[1]

کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپؑ نے اپنے فرزند کا عقیقہ کیا اور بعض دوستوں اور اصحاب کو گوشت بھیجا اور زبانی یا کتبی طور پر متوجہ کیا کہ یہ میرے فرزند کا عقیقہ ہے[2]۔ کبھی خط لکھ کر تعارف کرایا[3] کبھی شرعی اور علمی سوالات کے جوابات کے لئے اپنے فرزند کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا جیسے سعد بن عبد اللہ کو کھیعص کی تفسیر جاننے کے لئے رجوع کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح ان کو حجت الہی کے عنوان سے پیش کیا۔[4]

2۔ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت کی وضاحت: امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کے لئے امام حسن عسکری علیہ السلام کا ایک اہم اقدام آپؑ کی غیبت کے مسئلہ کو بیان کرنا تھا۔ کیونکہ جب تک غیبت نہیں ہو گی تو ظہور اور انتظار کا کوئی معنی نہ ہو گا اس لئے مسئلہ غیبت کو آپؑ نے مختلف انداز میں بیان کیا اور لوگوں کو اس جانب متوجہ کیا۔ جیسے:

الف۔ امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے واقع ہونے کی وضاحت فرمائی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کے اقدامات میں سے ایک اہم اقدام مسئلہ غیبت کا بیان تھا جسے آپؑ نے متعدد مواقع پر بیان کیا تاکہ شیعوں کو امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی غیبت اور ظہور کے انتظار کے لئے آمادہ کریں۔ ذیل میں روایت ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد 1، صفحہ 384

[2] اثبات الھداۃ، جلد 5، صفحہ 99

[3] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد 2، صفحہ 473

[4] بحار الانوار، جلد 52، صفحہ 84

ابو علی بن حمام نے جناب محمد بن عثمان عمری سے روایت کی کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں تھے تو امامؑ سے ان کے آباء طاہرین علیہم السلام سے مروی روایت کے سلسلہ میں پوچھا گیا کہ "أَنَّ الْأَرْضَ لَا تَخْلُو مِنْ حُجَّةٍ لِلَّهِ عَلَى خَلْقِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ أَنَّ مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً فَقَالَ إِنَّ هَذَا حَقٌّ كَمَا أَنَّ النَّهَارَ حَق" قیامت تک زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہوگی اور جو بھی اس عالم میں انتقال کرے کہ اپنے وقت کے امام کو نہ پہچانتا ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ (حدیث) حق ہے جیسے روشن دن حق ہے۔

عرض کیا گیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرزند! آپؑ کے بعد حجت اور امام کون ہے؟ فرمایا: میرا بیٹا محمدؑ! میرے بعد امام اور حجت ہے۔ جو اس عالم میں دنیا سے گذر جائے کہ اس کی معرفت نہ رکھتا ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ آگاہ رہو کہ ان کے لئے غیبت ہے جس میں نادان و جاہل سرگرداں ہوں گے، غافل ہلاک ہوں گے اور وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہوں گے۔ اس کے بعد وہ ظہور کریں گے۔ گویا میں ان سفید پرچموں کو دیکھ رہا ہوں جو نجف کوفہ میں ان کے سروں کے اوپر لہرائیں گے۔

3۔ صبر اور انتظار کا حکم

امام حسن عسکری علیہ السلام نے مسئلہ غیبت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ شیعوں کو حکم دیا کہ وہ ظہور کا انتظار کریں اور عصر غیبت میں صبر کریں۔ بطور نمونہ روایات ملاحظہ فرمائیں۔

الف۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے جناب علی بن بابویہ قمی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: اے میرے معتبر اور معتمد فقیہ علی بن الحسین بن بابویہ القمی! تم کو صبر، استقامت اور ظہور کے انتظار کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "أَفْضَلُ أَعْمَالِ أُمَّتِي انْتِظَارُ الْفَرَجِ" میری امت کا بہترین عمل ظہور کا انتظار ہے۔ ہمارے شیعہ مسلسل غم و اندوہ میں ہوں گے یہاں تک کہ میرا فرزند ظہور کرے۔ وہ وہی ہے جس کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ نے بشارت دی: "أَنَّهُ يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا وَ قِسْطاً، كَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَ جَوْراً" وہ زمین کو عدل و انصاف سے ویسے ہی بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے پر ہوگی۔

پھر فرمایا اے علی بن بابویہ! میں تم کو صبر اور استقامت کا حکم دیتاہوں اور تم بھی ہمارے تمام شیعوں اور پیروکاروں کو صبر اور استقامت کا میری جانب سے حکم دو۔ جان لو کہ زمین کا مالک اللہ ہے، وہ اپنے جس بندے کو چاہتاہے اس کا وارث قرار دیتاہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔[1]

ب۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے وکیل احمد بن اسحاقؒ سے فرمایا: اے احمد بن اسحاق! اس کی مثال اس امت میں (نبی خدا) خضرؑ جیسی ہے، اس کی مثال ذوالقرنین جیسی ہے، خدا کی قسم اس کے لئے غیبت ہے جس میں ہلاکت سے کوئی نجات نہیں پائے گا مگر یہ کہ جسے اللہ اس کی امامت کے اقرار پر ثابت قدم رکھے اور اسے توفیق دے کے وہ ان کے ظہور کی دعا کرے۔

یہ ہمارے لئے سبق ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں ان کے سلسلہ میں ہمارا عقیدہ ثابت رہے اور کوئی انحراف، شک و شبہ پیدا نہ ہو تو ان کے ظہور کے لئے زیادہ سے زیادہ دعا کریں تا کہ یہ روایت ہمارے بھی شامل حال ہو جائے اور ہم گمراہی سے نجات پا سکیں۔ "وَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ بِتَعْجِيلِ الْفَرَجِ فَإِنَّ ذَلِكَ فَرَجُكُمْ"[2]

اسی روایت میں ہے کہ جناب احمد بن اسحاقؒ نے بیان کیا: میں خوش و خرم امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیت الشرف سے نکلا اور دوسرے دن دوبارہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: فرزند رسول! حقیقت میں، میں بہت خوش ہوں کیونکہ آپؑ نے مجھ پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ آپؑ ہمیں یہ بتائیں کہ جناب خضرؑ اور جناب ذوالقرنینؑ کی کون سی صفت ان کے اندر رہو گی؟ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: اے احمد! وہ طولانی غیبت ہے۔ عرض کیا: فرزند رسول! ان کی غیبت طولانی ہو گی؟ امام عالی مقام نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! ان کی غیبت طولانی ہو گی یہاں تک کہ ان کی امامت پر بہت سے عقیدہ رکھنے والے اپنے عقیدے سے پلٹ جائیں گے، مگر یہ کہ جن سے اللہ تبارک و تعالی نے ہماری ولایت کا عہد و پیمان لیاہے اور ان کے دلوں میں ہمارے ایمان کو لکھ دیاہے اور ان کی مدد کی ہے۔ اے احمد! یہ خدا کے امور میں سے ایک امر ہے، اس کے اسرار میں سے ایک راز ہے۔ میں نے جو کچھ تمہیں دیاہے اسے لو اور چھپالو اور شکرگزاروں میں شامل ہو جاؤ تا کہ علیین میں بھی ہمارے ساتھ رہو۔[3]

4۔ نظام وکالت کو تقویت دینا۔

---

[1] صفات الشیعہ، صفحہ 8

[2] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد 2، صفحہ 485

[3] کمال الدین وہ تمام النعمہ، جلد 2، صفحہ 56

ظہور کی تیاریوں میں سے ایک اہم عنصر نظام وکالت بھی ہے۔ یعنی ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے شیعوں سے رابطے کے لئے کچھ لوگوں کو اپنا نمائندہ اور وکیل منتخب کیا تھا۔ البتہ یہ کام امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوا اور جیسے جیسے عصر غیبت سے نزدیک ہوا تو اس نظام وکالت کو مزید وسعت اور تقویت ملی یہاں تک کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ آگیا کہ اس زمانے میں نظام وکالت نے ایک مستقل نظام کی شکل اختیار کر لی اور امام حسن عسکری علیہ السلام نے عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں رہنے والے اپنے شیعوں سے رابطے کے لئے اس منظم اور پوشیدہ نظام کو تقویت دی اور عالم تشیع کی رہنمائی کے لئے اس کے ذریعہ پیغامات بھیجے اور اسی نظام وکالت کے ذریعہ اپنے شیعوں کے سوالات کے جوابات بھی دیے۔

نظام وکالت کا پس منظر اور سبب: ائمہ معصومین علیہم السلام کے حضور کے دوران کے حالات کے مد نظر اس نظام وکالت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

الف۔ امامؑ اور شیعوں کے درمیان فاصلہ۔

شیعہ نشین علاقوں اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے قیام کے مراکز کے درمیان فاصلہ اور ملاقات کے لئے سفر ممکن نہ ہونے کے پیش نظر ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک نے مختلف علاقوں میں اپنے نمائندے مقرر کئے تاکہ دور دراز علاقوں میں رہنے والے شیعوں سے رابطہ ہو سکے اور ان کے سوالات کے جوابات دیے جا سکیں اور ان سے شرعی رقوم حاصل کی جا سکے[1]۔

ب۔ ائمہ معصومین علیہم السلام سے براہ راست رابطے میں خطرات اور مشکلات: عباسی حکمران جو اموی حکمرانوں سے زیادہ ظالم و جابر اور سنگ دل تھے، وہ نہ صرف اہل بیت علیہم السلام بلکہ شیعوں پر بھی ظلم کرنے سے کبھی نہیں چوکتے تھے لہذا ایسے پر آشوب ماحول میں کسی کا خود کو شیعہ ظاہر کرنا بھی ایک دشوار مسئلہ تھا کیونکہ اس سے ان کو ہر طرح کا خطرہ تھا۔ لہذا ایسے گھٹن کے ماحول میں یہی نظام وکالت تھا جو شیعوں کو امامؑ سے نزدیک کرتا تھا۔

دوسری جانب ائمہ معصومین علیہم السلام یا سخت ترین قید میں تھے یا نظر بند تھے یا انہیں شہید کر دیا جاتا تھا تو ایسے ماحول میں ائمہ معصومین علیہم السلام کے وکلاء اور یہ نظام وکالت شیعوں کی بہترین پناہ گاہ تھی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی دینی ،کلامی، فقہی اور تمام مشکلات برطرف کرتے تھے۔ جب کوئی امام معصوم شہید ہوتے تو بعض لوگ ان کے جانشین کے سلسلہ

[1] سازمان وکالت، جلد 1، صفحہ 48

میں شک میں مبتلا ہو جاتے تو یہی نظام و کالت ان کو بعد کے امام کی معرفت کراتا تاکہ وہ ایسے حساس ماحول میں بھی صراط مستقیم پر قائم رہیں اور منحرف نہ ہوں اور باطل عقیدے پر نہ جائیں۔ (سازمان وکالت، جلد 2، صفحہ 52.)

ج۔ شیعوں سے کم سے کم رابطہ: امام حسن عسکری علیہ السلام لوگوں سے وکلاء کے ذریعہ رابطہ کرتے تھے اور بہت سے شیعہ وکلا کے ذریعہ آپؑ سے خط وکتابت کرتے تھے۔ شاید امام حسن عسکری علیہ السلام اور ان سے پہلے کے ائمہ علیہم السلام لوگوں کی عصر غیبت کے لئے تربیت کر رہے تھے تاکہ عصر غیبت میں وہ حیران و پریشان نہ ہوں۔ مسعودی سے روایت ہے امام علی نقی علیہ السلام بہت کم شیعوں سے رابطہ میں تھے اور جن سے رابطہ میں تھے وہ بھی پوشیدہ طور پر رابطہ میں تھے جب ان کی شہادت ہوگئی اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور امامت کا آغاز ہوا تو آپؑ بھی صرف خاص لوگوں سے ملاقات کرتے مگر یہ کہ جب بادشاہ کے دربار میں جاتے تو لوگوں سے راستے میں ملاقات ہوتی تھی[1]۔

آپؑ اور آپؑ کے آباء طاہرین علیہم السلام نے اس طرح لوگوں کی عصر غیبت کے سلسلہ میں تربیت فرمائی کہ عصر غیبت میں وہ سرگرداں اور پریشان نہ ہوں بلکہ اپنے امامؑ سے نظام وکالت کے ذریعہ رابطے میں رہیں۔ جیسے جناب عثمان بن سعید عمری رضوان اللہ تعالی علیہ اپ کے نامور وکیل تھے[2]۔

5۔ عادل اور صالح علماء کا بہ عنوان جانشین انتخاب

امام حسن عسکری علیہ السلام نے نہ صرف غیبت صغری کی تربیت فرمائی بلکہ غیبت کبری کے لئے بھی تربیت فرمائی۔ آپؑ نے نیک، عادل اور صالح علماء اور فقہاء کی جانب مومنین کو متوجہ کیا کہ وہ دینی امور میں ان سے رجوع کریں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: "فَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِناً لِنَفْسِهِ حَافِظاً لِدِينِهِ مُخَالِفاً عَلَى هَوَاهُ مُطِيعاً لِأَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِّ أَنْ يُقَلِّدُوهُ وَ ذَلِكَ لَا يكونُ إِلَّا بَعْضَ فُقَهَاءِ الشِّيعَةِ لَا جَمِيعَهُم" فقہا میں سے جو اپنے نفس کا پاس و لحاظ رکھتا ہے، اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے، خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہے اور اپنے مولا (خدا، رسول اور ائمہ معصومین علیہم السلام) کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو عوام کو چاہیے کہ ان کی تقلید کریں۔ اور ایسے فقہاء نہیں ہوں گے مگر یہ کہ کچھ شیعہ فقہاء نہ کہ سب۔[3]

---

[1] اثبات الوصیہ، صفحہ 272

[2] اثبات الوصیہ، جلد 1، صفحہ 53

[3] الاحتجاج طبری، جلد 2، صفحہ 458

اگرچہ ائمہ معصومین علیہم السلام نے علماء سو یعنی وہ صاحبان علم جو اپنے نفس کا پاس و لحاظ نہیں کرتے، دین کی حفاظت نہیں کرتے، خواہشات نفسانی کے غلام ہیں اور مولا کی اطاعت کے بجائے نافرمانی کرتے ہیں ان سے دور رہنے کا حکم دیا اور ان کے خطرے کو عظیم خطرہ بتایا۔

روایت میں ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا: ائمہ ہدی علیہم السلام کے بعد اللہ کے بہترین بندے کون ہیں تو آپؑ نے فرمایا: علماء اگر وہ صالح ہوں۔ اس نے پوچھا کہ ابلیس، فرعون نمرود جیسے برے لوگوں، اور جن لوگوں نے آپؑ کے القاب اور منصب کو چوری کیا اور سماج میں حاکم ہو گئے، کے بعد بدترین لوگ کون ہیں؟ تو امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے فرمایا: علماء جب وہ فساد میں مبتلا ہو جائیں۔ یہ باطل کو ظاہر کرتے ہیں حق کو چھپاتے ہیں اور ان کے سلسلے میں اللہ تبارک و تعالی نے ارشاد فرمایا: اؤلِئِكَ يلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يلْعَنُهُمُ اللّاعِنُونَ إِلَّا الَّذِين تابُوا (ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں. سورہ بقرہ، آیت 159[1]

6۔ مہدوی معاشرے کی جانب عوام کو ترغیب دینا

امام حسن عسکری علیہ السلام کا ایک اہم اقدام لوگوں کے سامنے امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے نظام عدل اور ان کے زمانے میں عدل کے قیام کو بیان کرنا تھا، نیز آپؑ لوگوں کو امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار اور دعا کی تعلیم بھی دیتے تھے تاکہ وہ ناامید نہ ہوں اور سماج کا کمزور اور مستضعف طبقہ ظلم و ستم میں خود کو فنا نہ سمجھے بلکہ اس میں ایک نظام عدل کی امید اور نظام عدل کا انتظار بھی ہو جیسا کہ روایت میں ہے "انتظار فرج بہترین اور عظیم عبادت ہے۔"[2]

امام حسن عسکری علیہ السلام نے متعدد مقامات پر اپنے فرزند کے ظہور کے سلسلہ میں فرمایا کہ جب وہ ظہور کریں گے تو دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔

ابو غالب خادم کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام انہوں نے محمدؑ رکھا اور ولادت کے تیسرے دن اپنے اصحاب کو ان کی زیارت کرائی اور فرمایا یہ میرے بعد تمہارے امام اور ہمارے جانشین ہیں اور یہ وہی قائم ہیں کہ جن کا انتظار کرنا ہو گا اور یہ زمین کو اپنے ظہور کے بعد عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے پر ہو گی[3]۔

---

[1] الاحتجاج، صفحہ 457

[2] اثبات الھداۃ، جلد 5، صفحہ 203

[3] کمال الدین و تمام النعمہ، جلد 2، صفحہ 431

7 ۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی روش پر امت کی ہدایت اور عالمی حکومت کی بنیاد رکھنا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے جد بزرگوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی طرح لوگوں کو دعا کی تعلیم دیتے ہوئے امر امامت کی جانب متوجہ فرماتے اور لوگوں کو امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی معرفت کراتے اور ان کو امامؑ کے انتظار اور ظہور کے بعد نظام عدل کے قیام کی خوشخبری دیتے۔ اس سلسلہ میں متعدد دعائیں آپؑ نے اپنے خاص شیعوں کو تعلیم دی ہے۔

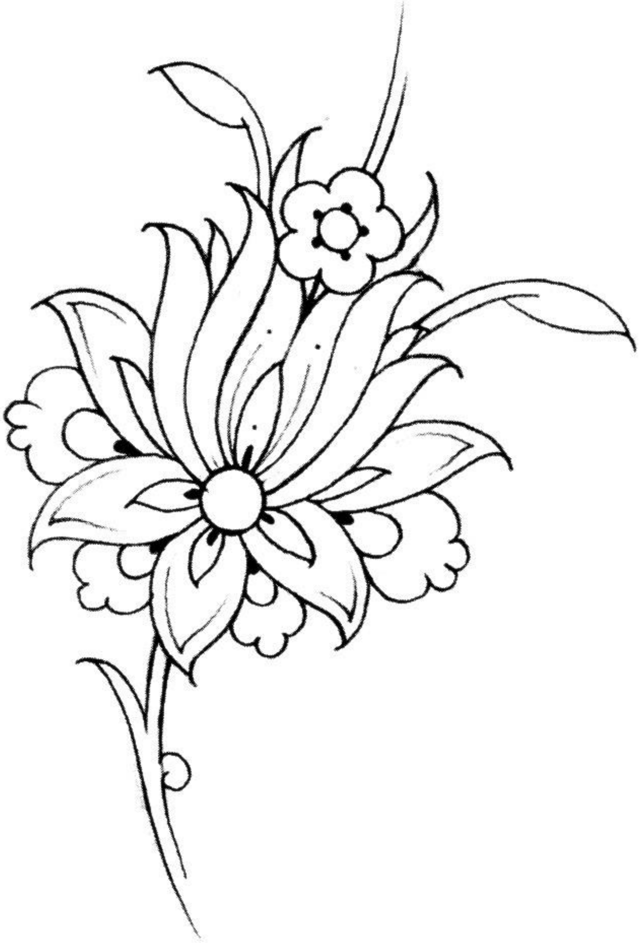

زمانہ غیبت کے لئے شیعہ معاشرے کی آمادگی میں امام حسن عسکریؑ کا کردار

علی عباس حمیدی

امام حسن عسکری علیہ السلام شیعہ اثناعشری مسلمانوں کے گیارہویں امام ہیں۔ جو سن ۲۳۲ھ،ق میں مدینہ میں پیدا ہوئے آپؑ اپنے بابا کی طرح عباسی خلفاء کے جبر سے سامراء کے عسکر نامی محلہ میں سکونت پذیر تھے لہذا عسکری کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کو ۲۲ سال کی عمر میں امامت ملی جسکی مدت چھ سال رہی آخر کار ۲۸ سال کی عمر میں معتمد عباسی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ائمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں اور ان میں سے ایک اہم پہلو خالص اسلامی افکار، تعلیمات اور ثقافت کی حرمت کا دفاع ہے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی چھ سالہ امامت کے دوران ظلم و ستم کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ان فرقوں کے خلاف جد وجہد کی جو اسلام کے نام پر خالص اسلام کو مسخ کر رہے تھے، آپ ان کے بارے میں شیعوں کو بار بار خبردار کرتے رہے ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی قائدانہ قوت جاذبہ سے مخلص دوستوں اور کارآمد دانشوروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور قوت دافعہ کے ذریعے ان دوست نما دشمنوں اور منحرف عناصر کو سختی سے دھتکارا جو در اصل اسلامی تعلیمات کی جڑوں پر حملہ کرتے تھے۔

ایک دن امام حسن عسکری علیہ السلام نے سنا کہ "احمد بن ہلال" نامی ایک شخص اپنے دکھاوے اور پر فریب الفاظ سے شیعوں کے واضح اور مسلّم عقائد پر حملہ کر رہا ہے اور صوفیانہ اداوں اور کج فکری سے لوگوں کے عقیدوں کو متزلزل کر رہا ہے۔

اگرچہ بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ نیک آدمی ہے جس نے 54 بار پیدل حج انجام دئے ہیں۔

لیکن امام نے عراق میں اپنے نمائندوں کو سختی سے لکھا کہ "اس بناوٹی اور جھوٹے صوفی سے دور رہو"

پھر کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ احمد بن ہلال کے بارے میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی رائے کو بدل دیا جائے۔ لیکن امام نے بغیر کسی ابہام کے پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا: "ہمارا حکم احمد بن ہلال کے بارے میں کہ خدا اسے نہ بخشے، آپ لوگوں تک پہنچا، خدا اس کے گناہوں کو معاف نہیں کرتا، اور اس کی خطا کو واپس نہیں لیتا، اس نے ہماری رضامندی اور نظریہ کے بغیر سرکشی کرتے ہوئے ہمارے معاملات میں مداخلت کی اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ ارادہ خداوندی

یہ ہے کہ اسے جہنم میں بھیجا جائے، ہم اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ خدا ہماری نفرین کی وجہ سے اس کی عمر کو تاہ کر دے گا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام صوفیاء پر تنقید کرنے میں اس قدر سخت تھے کہ انہوں نے ایک خطاب میں لکھا جو ہر دور کے شیعوں کے لیے ایک راہنما بیان ہے: آگاہ رہو کہ یہ مومنین کے عقیدوں کے راہزن ہیں اور لوگوں کو ملحدین اور منکرین کے راستے کی طرف بلاتے ہیں، جو بھی ان کا سامنا کرے وہ ان سے ضرور دور رہے اور اپنے دین و ایمان کو ان کے گزند سے بچائے۔

امام عسکری علیہ السلام اپنی چھ سالہ امامت کے دوران معتز عباسی، مہتدی اور معتمد جیسے تین طاغوتی حکمرانوں سے نبرد آزما رہے، اس دور میں شیعہ مکتب کی بنیاد اور اسلام کے بنیادی ارکان کو ان غاصبوں اور باغیوں سے بچانے کی خاطر ہمیشہ ان کے ساتھ حالت جنگ میں رہے۔ اس مقدس مقصد کی حفاظت کے لیے آپ کا شیعوں سے ہر وقت رابطہ رہتا تھا اور آپ کے نمائندے ہر جگہ موجود رہتے تھے اور خطوط ہمیشہ ان تک پہنچتے تھے۔ یوں شیعہ آپ کے خفیہ نمائندوں سے رابطے میں تھے۔

دوسری طرف بہت سی روایات کے مطابق تمام مسلمان جانتے تھے کہ ایوان طاغوت کو ڈھانے والے اور خالص دین اسلام کو زندہ کرنے والے حضرت قائم عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف آپ ؑ کی اولاد ہیں۔ اس لیے وہ آپ سے زیادہ خطرہ محسوس کرتے تھے۔

محدث قمی اس بارے میں لکھتے ہیں: "تین عباسی خلفاء نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ انہیں اطلاع ملی تھی کہ حضرت مہدی علیہ السلام ان کے صلب سے دنیا میں آئیں گے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت مہدی علیہ السلام کی غیبت کے زمانے کے لئے اپنے عمومی روابط سے ایک قسم کی آمادگی شروع کر دی تھی جس کا آغاز امام رضا علیہ السلام کے دور سے ہو چکا تھا حضرت امام رضا، حضرت امام جواد، حضرت امام ہادی اور حضرت عسکری کے دور میں شیعہ روابط پہلے سے کہیں زیادہ وسیع تھے۔ کسی بھی وقت پوری اسلامی دنیا میں شیعہ تنظیموں کا رابطہ اور توسیع امام جواد، امام ہادی اور امام حسن عسکری کے زمانے جیسا نہیں رہا۔ وکلاء اور نائبین کا وجود اس امر کی آمادگی کی گویا دلیل ہے۔ امامین عسکریین کا سامرہ میں نظربند ہونے کے باوجود اور اسی طرح ان سے پہلے حضرت امام جواد علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام کا کسی نہ کسی طرح لوگوں کے ساتھ رابطے کا سلسلہ پھیل کر وسیع و عریض دنیا کا حصہ بن گیا جو ایک منظم تحریک کا روپ لے گیا۔ یہ رابطے حضرت امام رضا علیہ السلام کے زمانے سے پہلے بھی تھے۔ البتہ آپ کی خراسان میں آمد کے بعد ان روابط میں بہت وسعت آگئی۔ امام رضا علیہ السلام کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت تک ایسا ہی یہ سلسلہ چلتا رہا۔

شہر سامرہ جو در حقیقت ایک فوجی چھاونی کی طرح تھا اور یہ کوئی بڑا شہر نہیں تھا بلکہ یہ نیا دارالحکومت تھا کہ "سر من رائ": حکومت کے سربراہان اور امراء کچھ عام لوگ جو اپنی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس میں جمع ہوتے تھے۔ ایک ایسے شہر میں امام ہادی اور امام عسکری علیہما السلام تمام اسلامی دنیا کے ساتھ رابطوں کا نیٹ ورک قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ جب ہم ائمہ علیہم السلام کی زندگی کے ان پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ غیبت کے دور کی آمادگی تھی جو بہت منظم طور پر بحسن و خوبی انجام دی جارہی تھی۔

ان روابط کا بہترین ذریعہ آپ کے تربیت کردہ شاگرد تھے۔ شیخ طوسی رحمہ اللہ نے آپؑ کے شاگردوں کی تعداد سو سے زیادہ بتائی ہے جن میں مشہور و معروف احمد بن اسحاق قمی، ابو عمرو عثمان بن سعید اور علی بن جعفر ہیں۔ آپؑ کے زمانہ میں شیعوں نے کافی ترقی حاصل کی اور مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کی منجملہ کوفہ، بغداد، نیشاپور، قم، مدائن، خراسان، یمن اور سامراء ایسے شہر تھے جنہیں شیعوں کا مرکز شمار کیا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں ایک طرف سے شیعہ امامت سے متمسک ہوئے اور دوسری جانب سے آپسی رابطہ بھی برقرار ہوا اس کام کو بہتر انجام دینے کے لئے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے مشہور و معروف نمائندے انتخاب کئے اور انہیں مختلف مقامات پر منصوب کیا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے خطوط کے ذریعہ اپنے چاہنے والوں سے رابطہ برقرار رکھا اور اس طریقہ سے ان کی ہر گونہ مشکلات کو دور کیا، امام علیہ السلام نے علی بن حسین بن بابویہ کو ایک خط میں لکھا: ہمارے شیعہ میرے بیٹے کے ظہور تک مسلسل غم و اندوہ کا شکار رہیں گے میرا بیٹا وہ ہے جس کے بارے میں رسول خداؐ نے بشارت دی کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہے۔

اس کے علاوہ بھی امامؑ نے قم اور ساوہ میں اپنے شیعوں کو خطوط لکھے جو شیعہ کتابوں میں محفوظ ہیں۔ امام علیہ السلام ان خطوط کو علمی سند اور دستاویز کی شکل میں عالم اسلام کے لئے محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ یہ نظام غیبت کے زمانہ کے لئے نہایت سازگار تھا اسلئے آپ کے دور میں یہ سلسلہ رائج ہوگیا اگرچہ آپ عباسی حکومت کی جانب سے شدید کنٹرول اور دباؤ میں تھے مگر آپ نے خفیہ طور پر سیاسی سرگرمیاں انجام دیں نمونہ کے طور پر امام علیہ السلام کے قریبی چاہنے والے عثمان بن سعید تیل بیچنے کے بہانے سرگرمی کیا کرتے اور امامؑ کے شیعہ تمام رقومات شرعی ان کے ذریعہ امامؑ تک پہنچاتے۔ آپؑ مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہتے تھے بہت سے شہروں میں مساجد اور دینی مراکز امام علیہ السلام کے حکم سے تعمیر کئے گئے، منجملہ شہر قم میں مسجد امام حسن عسکری علیہ السلام جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اپنی امامت اور اپنے نمائندوں کے ذریعہ لوگوں کی تمام قسم کی مشکلات اور کمیوں کو دور کرنے کے درپے تھے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے دور میں پورے طور پر وکالت کے نظام کو نافذ کر دیا تھا جو سراسر غیبت کے زمانے کے لئے موزون تھا۔

آپ نے ہر ملاقات کرنے والے اور ہر خط لکھنے والے کو اپنے زمانے کے امام سے مربوط ہونے کا طریقہ سکھا دیا تھا جو نہایت سرعت کے ساتھ تمام اسلامی شہروں میں نافذ ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے اہل قلم کی ایک جماعت کو اس امر میں لکھنے کی رہنمائی فرمائی جس کے ذریعہ تمام دور دراز علاقوں میں اس سلسلہ کا نفاذ آسانی سے ہو گیا۔

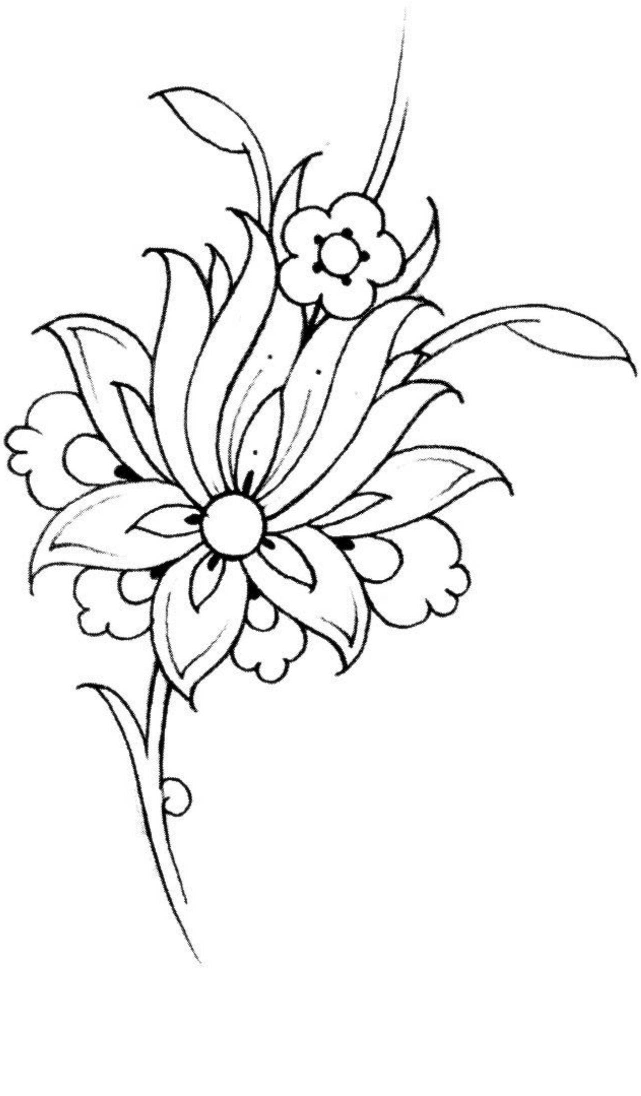

حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کی زیارت کی فضیلت و ثواب

ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی

آغوش عصمت و طہارت کی پرورش یافتہ خاتون فاطمہ بنت موسی بن جعفر، جو حضرت معصومہؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ امام موسی کاظم علیہ السلام کی بیٹی اور امام علی رضا علیہ السلام کی بہن ہیں، آپ کی مادر گرامی کا نام نجمہ خاتون ہے جو امام رضاؑ کی بھی والدہ ہیں، آپ کی ولادت کی تاریخ پہلی ذیقعدہ سنہ 173 ہجری اور تاریخ وفات 10 ربیع الثانی سنہ 201 ہجری ذکر ہوئی ہے۔ امام موسی کاظمؑ کی اولادوں میں امام رضاؑ کے بعد آپکو بہت عظیم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ معصومہ اور کریمۂ اہل بیتؑ آپ کے مشہور القابات میں سے ہیں، امام رضاؑ نے آپکو معصومہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ آپکے بھائی امام رضا علیہ السلام جب مامون رشید کے حکم پر مدینہ سے طوس تشریف لے گئے تو کچھ مدت بعد سنہ 201 ہجری کو اپنے بھائی امام رضاؑ کی فرمائش پر حضرت معصومہ آپ سے ملنے کے لئے مدینہ سے ایران کی جانب عازم سفر ہوئیں؛ محقق شہیر علامہ سید جعفر مرتضی عاملی نے لکھا ہے کہ حضرت معصومہؑ کو قم سے نزدیک ساوہ نامی شہر کے مقام پر زہر دیا گیا اس سے آپکی شہادت واقع ہوئی[1]۔

مکتب اہل بیت (ع) میں مختلف احادیث و روایات میں آپکے فضائل و مناقب اور آپ کی زیارت کی خاص اہمیت و اجر و ثواب کا ذکر ہوا ہے، جنہیں ذیل میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

حضرت معصومہؑ کے القاب

حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے معروف اور غیر معروف زیارتناموں میں درج ذیل القابات ذکر ہوئے ہیں: طاہرہ، حمیدہ، براء، رشیدہ، تقیہ، رضیہ، مرضیہ، سیدہ صدیقہ، سیدہ مرضیہ، سیدۃ نساء العالمین، نیز محدثہ، معصومہ اور کریمۂ اہل بیتؑ حضرت فاطمہ معصومہ کے مشہور القاب میں سے ہیں۔ محمد باقر مجلسیؒ کی کتاب زاد المعاد میں امام رضا علیہ السلام سے منقول روایت کے مطابق امام رضاؑ نے آپ کو معصومہ کے نام سے یاد کیا ہے۔[2]

موجودہ دور میں آپ کا مشہور لقب کریمہ اہل بیتؑ ہے۔

1۔ عاملی، حیاۃ السیاسی للامام رضا (ع)، ج1، ص428

2۔ مجلسی، زاد المعاد، 1423ھ، ص547

حضرت معصومہؑ کا علمی مقام

شہر قم،علم و عرفان و اجتہاد کا شہر ہے.جو اس سرزمین پر ایک علمی شخصیت یعنی شہر حضرت معصومہ (سلام اللہ علیہا) کی تدفین کا نتیجہ ہے۔ بچپن سے ہی امامؑ سے علم و تقویٰ حاصل کیا،اسی وجہ سے ان کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا۔ جسکی وضاحت کے لئے مثال کے طور پر ایک تاریخی واقعے کا ذکر کرنا کافی ہے:''ایک دن شیعوں کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں آیا اور اپنے مسئلے کے حل کے لئے امام موسیٰ بن جعفر علیہ اسلام کے گھر گئے۔ لیکن پتہ چلا کہ امامؑ موجود نہیں ہیں کہیں تشریف لے گئے ہیں،سفر کے تھکان کے بعد اور امام موسی بن جعفرؑ کی غیر موجودگی قافلے والوں کے لئے بہت گراں گزری،اچانک امامؑ کی ایک بیٹی فاطمہ معصومہؑ نے قافلے والوں کی مایوس خاموشی کو توڑا اور کہا: مجھے اپنے سوالات مجھے دیجئے میں ان کا جواب دوں گی۔ فاطمہ معصومہؑ نے سوالات کو لیا اور کافی دقت کے ساتھ انکے جوابات تحریر کر کے قافلے کے افراد کو واپس کر دیئے۔ ان لوگوں نے حیرت سے جوابات کو دیکھا اور اپنی مایوسی کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں وہ امام موسیٰ کاظمؑ سے ملاقات ہوگئی تو ان لوگوں امامؑ سے پورا ماجرا بیان کیا اور حضرت معصومہؑ کے جوابات دکھائے،امام مسکرائے اور تین بار فرمایا: "فداھا ابوھا! اس پر اُسکے والد قربان ہوں۔"[1] اس تناظر میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس وقت حضرت معصومہؑ کی عمر دس سال سے کم تھی کیونکہ جب وہ دس سال کی تھیں تو اُن کے پدر بزرگوار امام موسی بن جعفرؑ کو شہید کر دیا گیا تھا۔

حضرت معصومہؑ محدثہ

ولایت و امامت کے دفاع اور اہل بیت علیہم السلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے حدیث غدیر خم اور حدیث منزلت **یا علی انت منّی بمنزلہ ھارون من موسی** کے اہم ترین راویوں میں سے ایک حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا ہیں، انہوں نے ان دو اہم احادیث کو امام صادق علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے اور انہوں نے امام باقر علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے اور انہوں نے امام سجاد علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے اور انہوں نے اُم کلثوم بنت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے ان روایات کو نقل کیا ہے، غدیر سے متعلق احادیث کے مجموعے میں اس سلسلہ سند کو "فواطم کی روایت" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

[1] ۔ محمد محمدی اشتہاردی، حضرت معصومہ فاطمہ دوم، ص133.

حضرت معصومہؑ اور اطاعت امامؑ

حضرت معصومہؑ نے اپنے زمانے کے امام حضرت علی ابن موسیٰ الرضاؑ کی پیروی کی اور مشکلات کا سامنا کر کے مدینے سے ایران کے لئے روانہ ہوگئیں، جو چیز حضرت فاطمہ معصومہؑ کی روشن زندگی کو ہمارے لئے ایک موزوں نمونہ بناتی ہے، وہ اُنکی اپنے زمانے کے امام کی اطاعت ہے۔ کریمہ اہل بیتؑ اپنے دور کے باصلاحیت ترین افراد میں سے تھیں اور اُنہوں نے مجاہدانہ انداز میں امام موسی بن جعفر علیہما السلام کے اہداف کے ساتھ اسلام کی حدود و قیود کی حفاظت کی، انکے نقاب پوش دشمنوں کو معاشرے کے لئے حضرت موسیٰ بن جعفر کی خدمات کو بھلانے کا موقع نہیں دیا، اسکے بعد امام رضاؑ کی ہم محاذ بن گئیں۔

حضرت معصومہؑ شفیعۂ روز جزا

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: «تُقبَضُ فيها امراةٌ مِن وُلدِى، اسمها فاطمه بنتُ مُوسى و تَدخُلُ بشفاعتها شيعتى الجنّة بأجمَعِهِم»[1]

میری اولادوں کی ایک خاتون جس کا نام فاطمہ بنت موسیٰ ہے قم میں وفات پائے گی، جسکی شفاعت سے ہمارے تمام شیعہ جنت میں داخل ہونگے۔ اس روایت میں حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے لئے جس اہم مقام کو بیان کیا گیا ہے وہ تمام شیعوں کی شفاعت کا مقام ہے، قیامت کے دن شفاعت کرنے والے تو بہت ہیں لیکن حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے علاوہ تمام شیعوں کی شفاعت کرنے والوں میں حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کی زیارت کی فضیلت اور ثواب

شیعہ منابع و مآخذ میں حضرت معصومہؑ کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں متعدد روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ امام صادقؑ، امام کاظمؑ امام رضاؑ اور امام جوادؑ سے منقول روایات کے مطابق جنت جناب معصومہؑ کی زیارت کا صلہ و ثواب ہے۔ البتہ بعض احادیث میں علم و معرفت کے ساتھ اُن کی زیارت کرنے والے کو جنت کا ثواب ملے گا من زارها عارفا بحقها فله الجنة۔

امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص قم میں میری پھوپھی حضرت معصومہؑ کی قبر مطہر کی زیارت کرے گا وہ اہل بہشت ہوگا۔

نیز کتاب ریاحین الشریعہ میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس نے فاطمہ معصومہؑ کی زیارت کی گویا اُس نے میری زیارت کی۔

[1] ۔ بحار الأنوار، العلامة المجلسی، ج ۵۷، الصفحة ۲۲۸

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کا ایک حرم ہے جو مکہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حرم مدینہ ہے، اور حضرت علی علیہ السلام کا حرم کوفہ ہے، اور قم چھوٹا کوفہ ہے، اور جنت کے آٹھ دروازوں میں سے تین دروازے قم میں کھلتے ہیں۔ قم میں میری اولاد میں سے ایک خاتون کی وفات ہو گی جس کا نام فاطمہ بنت موسیٰ علیہ السلام ہے، اُن کی شفاعت سے میرے تمام شیعہ جنت میں داخل ہوں گے، ایک اور مقام پر امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص فاطمہ معصومہ ؑ کی معرفت اور اُنکی عظمت کی شناخت کے ساتھ زیارت کرے گا، تو اُسکا صلہ بہشت ہے، امام جعفر صادق ؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ: الّا انّ حرمی و حرم ولدی بعدی قم۔ آگاہ رہو کہ میرا اور میرے بعد میری اولاد کا حرم قم ہے[1]۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص قم میں حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کی زیارت کرے گا اس کا اجر جنت ہے[2]۔

امام رضا علیہ السلام ایک اور روایت میں فرماتے ہیں: جو شخص میری زیارت کے لئے نہیں آسکتا، وہ رئے میں میرے بھائی یا قم میں میری بہن کی زیارت کرے، تو اُسے میری زیارت کا ثواب ملے گا[3]۔ امام جواد علیہ السلام: جو شخص قم میں میری پھوپھی کی زیارت کرے گا تو اُسکے بدلے میں اُس کو جنت ملے گی[4]۔

بعض شیعہ کتب میں امام رضا علیہ السلام کی طرف سے حضرت معصومہ ؑ کا زیارتنامہ نقل ہوا ہے۔ علامہ مجلسی نے اس زیارت نامے کو تحفہ الزائر میں ذکر کیا ہے، جسکی توضیح میں لکھا ہے کہ اس میں صرف وہ زیارت نامے شامل ہیں جن کی دستاویزات معتبر ہیں۔

علی بن ابراہیم نے اپنے والد سعد سے روایت کی ہے کہ امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے فرمایا: اے سعد! تمہارے نزدیک ہم میں سے ایک قبر ہے! سعد نے کہا میں آپ پر قربان ہو جاوں کیا آپ مجھے امام موسیٰ علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ کی قبر بتا رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں جو شخص انکے حق کی معرفت کے ساتھ انکی زیارت کرے وہ جنت کا مستحق ہے۔ جب بھی تم قبر کو دیکھو تو قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو اور چونتیس بار اللہ اکبر، سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمدللہ پڑھو۔ پھر کہو«......اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ فَاطِمَةَ وَ خَدِيجَةَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ وَلِيِّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُخْتَ وَلِيِّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا عَمَّةَ وَلِيِّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ

[1] بحارالانوار، ج60 ص216

[2] کامل الزیارۃ

[3] زبدۃ التصانیف، ج6، ص159، بہ نقل از کریمہ اہل بیت، ص3

[4] بحارالانوار، ج48، ص307

مُوسَی بْنِ جَعْفَرٍ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَكَاتُهُ ......» [1] یہ ایک مفصل زیارتنامہ ہے جو امام رضاؑ سے منقول ہے، کامل زیارتنامے کو پڑھنے کے لئے مفاتیح الجنان یا دیگر کتب ادعیہ کی طرف مراجعہ کریں۔

حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کی زیارت گویا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زیارت کی طرح ہے

مرحوم آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی قدس سرہ اپنے والد محترم آیت اللہ سید محمود مرعشی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ نجف اشرف میں رہتے تھے اور اپنی جدہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے مدفن کو جاننے اور ان کی زیارت کے لئے بہت بے چین تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے روضے پر 40 راتوں تک مجرب عمل اور عبادت اور دیگر اعمال انجام دیئے تاکہ حضرت علی علیہ السلام حضرت زہراؑ کی قبر مطہر کے مقام کی طرف اُنکی رہنمائی فرمائیں 40 ویں رات بہت سی عبادتیں اور دعائیں کرنے کے بعد بستر پر گئے، نیند آگئی خواب کے عالم میں وہ امام باقر علیہ السلام یا امام صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "علیک بکریمۃ اہل البیت، کریمہ اہل بیتؑ کی زیارت کو جاؤ، میرے والد نے تصور کیا کہ کریمہ اہل بیتؑ سے مراد حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زیارت ہے۔" تو انہوں نے امامؑ سے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان ہو میں نے یہ چالیس دن کا عمل اسی لئے کیا ہے تاکہ آپ مجھے آنحضرتؑ کی قبر کی نشاندہی فرمائیں۔ امامؑ فرماتے ہیں: "میری مراد قم میں حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک ہے۔" حضرت زہرا کی تدفین اسرارِ الٰہی میں سے ایک سِرہے۔ بی بی کی وصیت کے مطابق قبر کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے اور میں اُن کی مرضی کے خلاف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی قبر مطہر کا پتہ نہیں لگاسکتا۔ حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے روضے کی زیارت کو جاؤ اُنکی زیارت اس طرح سے ہے جیسے تم نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے روضے کی زیارت کی ہو۔" اس کے بعد حضرت آیت اللہ مرعشی نجفی قدس سرہ نے فرمایا: میں اپنے والد کی فرمائش پر قم میں حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے روضے پر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر مطہر کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔

قم میں حضرت معصومہؑ کا ورود اور شہادت

حضرت معصومہ سنہ 200 ہجری میں اپنے بھائی امام رضاؑ سے ملاقات کے لئے مدینہ سے ایران کی جانب عازم سفر ہوئیں۔ باقر شریف قَرَشی نے لکھا ہے کہ حضرت معصومہ کا ایران کی جانب سفر کا سبب وہ خط تھا جس میں امام رضاؑ نے حضرت معصومہ کو خراسان آنے کی دعوت کی تھی [2]۔ اس وقت امام رضا کا مامون عباسی کی ولی عہدی کا دور تھا اور امامؑ

[1] مجلسی، تحفۃ الزائر، 1386 ہجری شمسی، ص 666

[2] ۔ قرشی، حیاۃ الامام الرضا (ع)، 1380 ہجری شمسی، ج 2، ص 351

خراسان میں تھے؛سید جعفر مرتضی عاملی کا کہنا ہے کہ حضرت معصومہ ؑ کو ساوہ کے مقام پر دشمنان اہل بیت نے زہر سے مسموم کیا تھااور اسی زہر کی وجہ سے کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد آپ شہید ہو گئی تھیں[1]۔

حضرت معصومہ کے قم جانے کے بارے میں دو قول بیان ہوئے ہیں: ایک قول کے مطابق اہل قم نے آپ سے قم تشریف لانے کی درخواست کی،دوسرے قول کے مطابق جب آپ ساوہ میں مسموم ہونے کی وجہ سے بیمار ہوگئیں تو آپ نے اپنے ہمراہ افراد سے قم کی طرف جانے کے لئے کہا[2]۔

قم میں حضرت فاطمہ معصومہ نے موسی بن خزرج اشعری کے گھر پر قیام کیااور 17 دن کے بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کا جنازہ موجودہ حرم کی جگہ،بابلان نامی قبرستان میں دفن کیا گیا[3]۔

شفیعہ َروز جزا حضرت معصومہ َقم سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد ان کو غسل دیا گیا۔ کفن پہنایا گیاپھر قبرستان بابلان کی طرف آپ کی تشییع کی گئی۔ لیکن دفن کے وقت مَحرم نہ ہونے کی وجہ سے آل سعد مشکل میں پھنس گئے۔ آخر کار ارادہ کیا کہ ایک ضعیف العمر بزرگ اس عظیم کام کو انجام دیں،لیکن وہ بزرگ اور دیگر بزرگان اور صلحائے شیعہ اس امر عظیم کی ذمہ داری اٹھانے کے لائق نہ تھے کیونکہ معصومہ اہل بیت (س) کے جنازے کو ہر کوئی سپرد خاک نہیں کرسکتا تھا۔ لوگ اسی مشکل میں اس ضعیف العمر بزرگ کی آمد کے منتظر تھے کہ ناگاہ لوگوں نے دو سواروں کو آتے ہوئے دیکھا وہ ریگزاروں کی طرف سے آرہے تھے۔ جب وہ لوگ جنازے کے نزدیک پہنچے تو گھوڑے سے اُترے اور کچھ کہے سنے بغیر نماز جنازہ پڑھی اور اس ریحانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جسد اطہر کو داخل سرداب دفن کیا۔ اور کسی سے گفتگو کیے بغیر سوار ہوئے اور واپس چلے گئے اور کسی نے بھی ان بزرگواروں کو نہیں پہچانا[4]۔ آیت اللہ العظمی فاضل لنکرانی (رہ) فرماتے ہیں کہ یہ امر بعید نہیں ہے کہ یہ دو بزرگوار دو امام معصوم رہے ہوں کہ جو اس امر عظیم کی انجام دہی کے لیے قم تشریف لائے اور چلے گئے۔

حضرت معصومہؑ کو دفن کرنے کے بعد موسی بن الخزرج نے حصیر و بوریا کا ایک سائبان قبر مطہر پر ڈال دیا وہ ایک مدت تک باقی رہا۔ جب حضرت زینب بنت امام محمد تقی الجواد علیہما السلام قم تشریف لائیں تو انھوں نے مقبرے پر اینٹوں کا قبہ تعمیر کرایا،جہاں پر آج عالی شان روضہ بنا ہوا ہے۔

1 ۔ عاملی،حیاۃ السیاسی للامام رضا (ع)،ج1،ص 428

2 ۔ قمی،تاریخ قم،توس،ص 213

3 ۔ قمی،تاریخ قم،توس،ص 213

4 تاریخ قدیم قم ص 214

آج شہر قم خاندان اہل بیتؑ کی اس عظیم خاتون کی برکت سے علماء، مجاہدین اور خالص محمدی مکتب اسلام کے تربیت یافتہ افراد کا گہوارہ بنا ہوا ہے اور شیعوں کا مرکزی حوزہ علمیہ اس بی بی کے مقدس حرم کے قریب ایک مضبوط اور عالمی مرکز میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ آستان قدس فاطمی، قدیم الایام سے ہی ہزاروں کرامات و عنایات ربانی کا مرکز و معدن رہا ہے، اس ملکوتی بارگاہ سے کتنے ناامید قلوب خدا کے فضل و کرم سے پر امید ہوئے، کتنے تہی داماں، رحمت ربوبی سے فیضیاب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

مدحِ حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا

سید ضرغام حیدر نجف الہ آبادی

ہے خدائے لم یزل مدحت گزار فاطمہ — حیف ہے اب تک نہ تم سمجھے وقار فاطمہ

جو نہ سمجھے آج تک عز و وقار فاطمہ — حشر میں سمجھے گا ان سے کردگار فاطمہ

لم یشم نفحۃ الجنۃ کا وہ مصداق ہے — جس کے بھی دل میں ہے شمہ بھر غبار فاطمہ

سر تو اکثر خود سروں کے سامنے بھی ہیں جھکے — دل جھکے جب سامنے آئے مزار فاطمہ

مرتبہ میں ہو گیا قم آج ہم شان نجف — مرکز فقہ و فقاہت ہے دیار فاطمہ

جبہ سائی تشنگان علم کرتے ہیں یہاں — اور شہر علم ہے دائر مدار فاطمہ

تیرگیٔ جہل دنیا سے مٹانے کے لئے — ہے ضیائے علم سے روشن جوار فاطمہ

بیشتر ابواب جنت کھلتے شہر قم میں ہیں — افتخار قم رہین افتخار فاطمہ

آشیانہ اہل بیت پاک کا ہے شہر قم — خلد شرمائے کچھ ایسا ہے جوار فاطمہ

ثانی زہرا ہیں زینب، ثانی زینب ہیں یہ — ہے شعار ثانی زہرا شعار فاطمہ

عالم غربت میں مولا کی زیارت کے لئے — آتے ہیں ہر سال لاکھوں جانثار فاطمہ

قبر میں اطہر کو دیکھا تو ملک کہنے لگے — مرحبا صد مرحبا مدحت گزار فاطمہ

حضرت عبد المطلبؑ تاریخ کے آئینہ میں

سید محمد مجتبیٰ علی رضوی

تمہید

جناب عبد المطلب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے کیونکہ جہاں بھی اسلامی تاریخ کا ذکر ہو گا وہاں جناب عبد المطلبؑ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہو گا اس لئے کہ تاریخ کے بہت اہم مواقع جناب عبد المطلبؑ کے کارناموں سے مزین ہیں جیسے ابرہہ کا واقعہ، پیغمبر اسلامؐ کے والد جناب عبد اللہؑ کی قربانی کے سلسلہ میں قرعہ کشی کا واقعہ، اور دور جاہلیت کی بہت سی رسموں کا خاتمہ وغیرہ یہ سب آپ کے کارنامہ ہیں جو تاریخ اسلام سے تعلق رکھنے والے واقعات ہیں جن میں مرکزی کردار جناب عبد المطلبؑ کا ہی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے یہ کارنامہ اسلامی تاریخ و تمدن اور ماحول کی زمینہ سازی کر رہے تھے تو غلط نہ ہو گا۔

جناب عبد المطلبؑ کا تعارف

آپ پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے جد بزرگوار، جناب ہاشم بن عبد مناف کے فرزند، اور جناب عبد اللہؑ اور جناب ابو طالبؑ کے پدر گرامی ہیں۔ آپ کا نام عامر اور شیبہ تھا، لقب شیبۃ الحمد تھا لیکن چونکہ آپ شروع سے ہی نانیہال میں پلے بڑھے اس لئے اہل مکہ آپ کو نہیں جانتے تھے اور آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا مطلب کے ساتھ وارد مکہ ہوئے اس لئے آپ عبد المطلب کہلائے۔ اگرچہ سب کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ آپ جناب ہاشم سردار مکہ کے فرزند اور ان کے جانشین ہیں لیکن آپ کی شہرت عبد المطلب کے نام سے ہی ہوئی۔

عبد المطلبؑ نام کیسے ہوا

شیبہ بن ہاشم بن عبد مناف کا نام عبد المطلبؑ کیسے پڑا اس سلسلے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں ہوا یوں کہ ایک مرتبہ جناب ہاشم شام کے سفر سے واپس ہو رہے تھے اسی دوران یثرب (مدینہ) میں کچھ دن قیام کیا یثرب میں اسی زمانہ میں ایک بہت ہی شریف، نجیب، پاکدامن اور معزز خاتون جناب سلمیٰ بنت عمر و خزرجی تھیں جنھوں نے ایک عرصہ قبل اپنے شوہر سے طلاق لینے کے بعد کسی سے بھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جناب ہاشم کے یثرب میں قیام کے دوران جب جناب ہاشم نے ان معزز خاتون کے لئے اپنا رشتہ بھیجا تو جناب ہاشم کی عزت، عظمت، منزلت، مقام و مرتبہ سے متاثر ہو چکی جناب سلمیٰ نے بخوشی اس رشتہ کی حامی بھری لیکن نکاح سے پہلے ایک یہ شرط رکھی کہ جب بچہ ہو گا تو وہ اپنے میکے (یثرب) چلی آئیں گی

اور بچہ کی ولادت یہیں ہو گی جناب ہاشم نے شرط منظور کی اور یہ عقد ہو گیا۔ جناب سلمیٰ جناب ہاشم کے ساتھ مکہ آگئیں۔ کچھ مدت کے بعد جب حمل کا زمانہ آیا تو شرط کے مطابق آپ نے یثرب آنے کی تیاری شروع کی اور پھر اپنے میکے آگئیں۔ یہیں جناب شیبہ (عبد المطلب) کی ولادت ہوئی اور بچپن یہیں گزرا یہیں پروان چڑھے۔[1]

اب یہاں نام کے سلسلہ میں کئی اقوال بیان کئے جاتے ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ خود جناب ہاشم نے اپنے آخری وقت میں اپنے بھائی مطلب کو وصیت کی کہ میرے بیٹے کو یثرب (مدینہ) سے لے آئیں اور ان الفاظ میں ذکر کیا "ادرك عبدك شيبه" اپنے غلام شیبہ کو درک کرو یعنی اسے لے آؤ۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ چونکہ خود جناب ہاشم نے ہی عبد المطلب کہا اور جناب مطلب کا غلام اور عبد کہا اس لئے یہی ان کا نام پڑ گیا[2]

دوسری ایک وجہ یہ ہے کہ جو کسی کی پرورش کرتا ہے اسے پالتا ہے تو اس کے احترام کی وجہ سے بچہ کو اس کا غلام کہا جاتا تھا اسی وجہ سے شیبہ یا عامر کو عبد المطلب کہا جانے لگا[3] اور اسی نام سے شہرت ہوئی۔

جناب عبد المطلب رئیس مکہ

جناب مطلب کے بعد آپ ہی سردار مکہ بنے اور مکہ کی سرداری کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کعبہ کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آگئی اور آپ نے بھی اس ذمہ داری کو بخوبی نبھانا شروع کر دیا مکہ کا انتظام سنبھالا اور حاجیوں کی خدمت کے لئے بہترین انتظام کرنے کی کوششیں کرنے لگے زمزم سے سب کو پانی پلانا شروع کیا۔ اور مکہ کا انتظام بہتر سے بہتر کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے، اور تقریبا اسلامی قانون کا نفاذ کیا اگرچہ اس میں اسلام کا نام کہیں نہیں تھا لیکن عمل اور قانون ان کی خداداد صلاحیتوں کا پتہ بتارہے تھے اور بعد میں اسلام نے ان قوانین کو باقی رکھ کر ان کی خدمات کا صلہ دیا جن میں سے ایک طواف کعبہ ہے، جسے آپ نے سات چکروں میں معین کیا تھا، اور آپ نے کبھی بھی عوام الناس کی طرح برہنہ ہو کر نہ ہی خود طواف کیا اور نہ اپنے خاندان والوں کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔ کعبہ کا انتظام سنبھالنا آسان کام نہیں تھا اور حج کے زمانے میں حاجیوں کی خدمت خاص کر ان کے لئے پانی کا انتظام جو انتہائی سخت کام تھا جس میں آپ کو افراد کی تعداد کم لگتی تھی اور اس وقت آپ کے فرزند کم تھے تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اگر میرے دس

---

[1] فرزہای از تاریخ پیامبر اسلام، ص42

[2] فرزہای از تاریخ پیامبر اسلام، ص42

[3] فرزہای از تاریخ پیامبر اسلام، ص43

بیٹے ہو جائیں تو بیت اللہ کی ذمہ داریاں نبھانا آسان ہو جائیں گی ۔ خاص کر حجاج کی اور زائرین کعبہ کو پانی پلانا ان کے لئے پانی کا انتظام کرنا۔ اور جب دس بیٹے ہو
جائیں گے تو ان بیٹوں میں سے ایک کو بقید قرعہ راہ خدا میں قربان کر دوں گا۔

بیٹے کی قربانی

وہ دن بھی آگیا کہ جب آپ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو دس بیٹے عطا کر دئے جب نذر کے مطابق فرزندوں کی تعداد دس ہو گئی تو اب نذر کو پورا کرنا تھا اس لئے جناب عبد المطلب نے گھر والوں اور خاندان والوں کو اپنی اس نذر سے آگاہ کیا جس سے سب کو تعجب بھی ہوا اور پورے مکے میں یہ خبر پھیل گئی سب اس نذر سے حیران تھے اس لئے قرعہ اندازی کے موقع پر سارا مکہ جمع ہو گیا کہ دیکھیں قرعہ میں کس کا نام نکلتا ہے۔ اتفاق سے قرعہ میں جناب عبد اللہ کا نام نکلا جو کہ رسول اسلام کے پدر بزرگوار ہونے والے تھے۔ اس نام سے مکہ والوں میں ایک کہرام برپا ہو گیا کیونکہ وہ اپنے حسن و جمال، اخلاق و اطوار میں بے مثال و بے نظیر تھے اور ہر دل عزیز بھی تھے لوگوں نے منع کیا کہ ان کو قربان نہ کیا جائے ان کے بدلہ میں کسی اور کو قربان کر دیں، لوگ الگ الگ مشورے دینے لگے اس لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ کافی گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ یثرب کے دانشوروں کے پاس مسئلہ لے کر جائیں گے اور ان سے کوئی حل نکالنے کی بات کہیں گے۔ جب یثرب جا کر بات کی تو انہوں نے ایک دن کا وقت مانگا اس کے بعد فیصلہ ہوا کہ جن کا نام نکلا ہے ان کے اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی ہو اور اگر اونٹوں کا نام نکلا تو ٹھیک اور اگر جناب عبد اللہ کا نام نکلا تو اونٹوں کی تعداد بڑھا کر پھر قرعہ کریں اور اس وقت تک ایسا ہی کریں جب تک اونٹوں کا نام نہ نکلے۔ سب نے اس رائے اور فیصلے کو تسلیم کیا اور مکہ آکر اس پر عمل شروع کیا جناب عبد المطلب کے لئے سینکڑوں اونٹوں کو قربان کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا اس لئے قرعہ اندازی شروع ہوئی اور دس اونٹوں کی جناب عبد اللہ کے ساتھ قرعہ اندازی ہوئی پھر آپ کا ہی نام نکلا تو اونٹوں کی تعداد بڑھائی گئی لیکن ہر بار ان کا ہی نام نکلتا یہاں تک کہ جب سو اونٹ کے ساتھ نام نکالا گیا تو اونٹوں کا نام نکلا، سب خوش ہو گئے لیکن جناب عبد المطلب نے اطمئنان کے لئے پھر قرعہ کیا تین بار قرعہ کیا اور تینوں بار اونٹوں کا نام نکلا۔ تو طے یہ ہوا کہ سو اونٹ کعبہ کے سامنے قربان کئے جائیں اور ان کا گوشت لے جانے کی کھانے کی سب کو بلا روک ٹوک اجازت ہے ۔ اور شاید ان کا یہ جذبہ فدا کاری اور اخلاص عمل اور خلوص تھا کہ اسلام میں بھی یہی قانون بنا کہ ایک انسان کی دیت سو اونٹ رکھی گئی۔

کعبہ کا دفاع

کچھ عرصہ بعد ابرہہ اپنے ہاتھیوں کے ہمراہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے پیش قدمی کرتا ہوا

مکہ تک آپہنچا۔ اس کا لشکر بہت بڑا تھا تقریبا ساٹھ ہزار کی مصلح فوج تھی جن میں ہاتھیوں کی تعداد 9 یا 13 تھی اور ان میں سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔

اپنی دہشت اور اپنا رعب دکھانے کے لئے ہر ظالم کی طرح ابرہہ کی فوج نے بھی مکہ کے آس پاس لوٹ مار مچائی اور اور اہل مکہ کے سامان جانور لوٹ لئے جن میں جناب عبد المطلبؑ کے اونٹ بھی تھے۔ جب آپ کو یہ خبر موصول ہوئی تو آپ نے ابرہہ سے ملاقات کا فیصلہ کیا جس سے ابرہہ کو یہ خیال ہوا کہ شاید سردار مکہ ہونے کی حیثیت سے کعبہ کے تحفظ کی گزارش کرنے آئے ہوں گے لیکن اس کے برخلاف جب آپ تشریف لائے تو ابرہہ سے اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا اور کہا کے میرے اونٹ اور میرے آدمی جو تم نے پکڑے ہیں سب واپس کردو جس پر ابرہہ نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ سردار مکہ ہو کر کعبہ کو بچانے کی گزارش اور سفارش نہیں کر رہے ہیں۔ جب کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم کعبہ کو منہدم کرنے آئے ہیں۔ اس پر جناب عبد المطلب نے ایمان اور یقین سے بھرپور تاریخی جواب دیا "انا رب الابل وللبیت رب" میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ خود ہی بچالے گا، یہ خدا پر ایمان کا واضح بیان تھا کہ اللہ خود ہی اپنے گھر کی حفاظت فرمائے گا۔ [1]

وہاں سے واپس آکر کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کرنے لگے ادھر مکہ والوں نے مکہ چھوڑ دیا اور پہاڑوں کا سہارا لیا لیکن سردار قریش محکم یقین کے ساتھ کعبہ کی دیوار سے لپٹے اللہ سے راز و نیاز کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے ایمان اور یقین کا ایمان افروز کارنامہ تھا جو آپ کی عظیم شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ جن صلبوں کو اللہ نے نور نبوت و امامت کے لئے مستقر بنایا ہو وہ شخصیتیں کتنی عظیم ہوتی ہیں آخر کار یقین اور ایمان باللہ کی جیت ہوئی اور مغرور و سرکش ظالم رہتی دنیا تک کے لئے عبرت کا نشان بن گیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ خداوند عالم کی یہ سنت ہے کہ اللہ کا باغی اور سرکش جتنی بڑی طاقت لے کر آتا ہے اللہ اسے اتنا ہی ذلیل کر کے ذلت کی موت دیتا ہے اور وہ بھی بہت معمولی ذریعہ سے۔ یہاں

---

[1] فرزہای از تاریخ پیامبر اسلام، ص 48،47

ہاتھی کے مقابلہ میں سب سے چھوٹے پرندے ابابیلوں کا لشکر آیا جس نے اس کو نابود کر کے چبائے ہوئے بھوسے میں تبدیل کر دیا جس کا اشارہ قرآن کریم کے سورہ فیل میں موجود ہے۔

کمالات

ویسے تو جناب عبد المطلبؑ کی پوری زندگی کمالات سے بھری ہوئی ہے لیکن ان میں بھی کچھ چیزیں نمایاں ہیں جو اس طرح ہیں جنھیں خود پیغمبر اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جناب عبد المطلب پانچ خصوصیات کے حامل تھے۔

1۔ انہوں نے سب سے پہلے باپ کی زوجہ سے عقد کو ممنوع قرار دیا

2۔ خزانہ پر خمس عائد کیا

3۔ حاجیوں کی سقایت اور سیرابی کا انتظام شروع کیا۔ (یعنی زمزم سے سب حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام کیا تاکہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو)

4۔ ایک انسان کے بدلے سو اونٹوں کی دیت مقرر کی

5۔ طواف کعبہ کے سات چکر معین کئے۔

قدرت نے ان کے اخلاص کی بنا پر ان کے تمام اقدام کو اسلامی قانون و شریعت کا حصہ بنا دیا[1]

ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبد المطلب بھی اپنے آباء و اجداد کی طرح شریعت ابراہیمی کے پابند اور عالم تھے کیونکہ آپ کے اعمال اور کردار میں اس کی جھلک ملتی ہے، اہل مکہ کی خرافات سے بالکل دور، جاہلیت کی وبا سے دور علم و عمل سے مزین کردار و شخصیت یہ سب آپ کو دوسروں سے ممتاز بناتی ہیں۔ اس دور جاہلیت میں جہاں شراب نوشی عام تھی وہاں واحد جناب عبد المطلبؑ کا خاندان تھا کہ جہاں شراب نہیں تھی، مکہ کی تمام برائیوں سے پاک یہ گھرانہ جناب ہاشم اور ان کے بعد جناب عبد المطلبؑ کی سربراہی میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کا منتظر اور معتقد پوری طرح تیار تھا کہ اس رحمت عالم کا میزبان بنے۔ اور اس گھر کے آنگن میں سرور انبیاء پروان چڑھیں۔

پیغمبر رحمتؐ کی پرورش

---

[1] نقوش عصمت، ص19

ابھی پیغمبر رحمت شکم مادر میں ہی تھے کہ سایہ پدر سے محروم ہو گئے اور مشیت الہی کے تحت ان کے پدر بزرگوار دنیا سے سدھارے لیکن جناب عبد المطلب نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی اور اس نومولود کی کفالت کی پوری ذمہ داری اٹھائی اور یتیم عبد اللہ کی دل و جان سے پرورش کی۔ یہاں تک کہ والدہ کا بھی انتقال ہو گیا اب پیغمبر اکرمؐ کی ذات اور زیادہ توجہ کا مرکز بن گئی اس وقت جناب عبد المطلبؑ اپنے پوتے اور عظیم پیغمبر ﷺ کا اور زیادہ خیال رکھنے لگے اور پرورش کا پورا اور مکمل انتظام مہیار کھا۔ لیکن ابھی آٹھواں سال ہی تھا کہ اس عظیم شخصیت کے سایہ عاطفت سے بھی محرومی ہو گئی اس وقت جانشین جناب عبد المطلبؑ مہربان چچا جناب ابو طالبؑ نے آپ کی سرپرستی فرمائی۔

آخر کلام

یہ تھا جناب عبد المطلب کی زندگی کا مختصر تذکرہ کہ جس میں ان کی زندگی کے اہم واقعات کو مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے کارناموں نے اسلامی ماحول فراہم کرنے میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور آپ کے بنائے ہوئے بہت سے قانون کو خداوند عالم نے اسلامی شریعت کا حصہ قرار دیا ہے یہ سب آپ کی اعلی شخصیت اور عظیم ہستی ہونے کی دلیل ہے۔ ساتھ میں یہ بات بھی ظاہر اور عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کا تعلق شریعت ابراہیمی سے تھا مکہ میں بت پرستوں کے درمیان رہنے کے باوجود جناب ابراہیم اور ان کی شریعت سے آپ کے تعلق میں کوئی کمی نہیں آئی اور آپ موحد رہتے ہوئے شریعت ابراہیمی کے پابند تھے۔

اور اہل مکہ کفار مکہ اور بت پرستوں کی کسی بھی بری عادت کا دور دور تک آپ کی شخصیت و کردار میں اثر نہیں تھا۔ بلکہ آپ پاسبان شریعت ابراہیمی کی حیثیت سے مکہ میں موجود تھے اور اسلام کے لئے ماحول بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ اور آپ کے خاندان اور قبیلہ کی الگ ہی شناخت تھی۔ آپ کا کردار اپنے آباء و اجداد کی طرح عظیم اور تمام آلودگیوں سے پاک تھا۔ اسی لئے خداوند عالم نے آپ کو اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کی کفالت و سرپرستی کا شرف بخشا۔

شہادت حسینیؑ پر لکھے جانے والے مقاتل کا جائزہ

آیت اللہ محمدی ری شہری/فیروز علی بنارسی

دانش نامہ امام حسین علیہ السلام کہ یہ کتاب شہادت نامہ امام حسین علیہ السلام اسی کتاب کا خلاصہ ہے جس کو محققین نے واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب و انصار کی شہادت سے مربوط حصوں کو سینکڑوں روایات اور کتابوں کی مرحلہ بہ مرحلہ چھان بین کر کے ان چند کتابوں کی شناخت کی ہے اور ان کی کمیوں اور خامیوں کو بتایا ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کتابوں کے سارے مطالب غلط اور تحریف شدہ ہیں اس لئے کہ ان کتابوں میں تاریخ و سیرت کی اصلی اور قدیم کتابوں سے معتبر مطالب و روایات بھی نقل ہوئی ہیں۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان کتابوں میں بہت سے نادرست یا تاریخی کتابوں کے بغیر روایات اور واقعات پائے جاتے ہیں جو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل حرم کے طریقۂ کار اور سیرت و کردار سے ساز گار نہیں ہیں اگرچہ ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں کہ جن کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ ان کتابوں میں رہی ہوں گی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی کتابوں میں منقول روایات و واقعات بغیر تحقیق کے قابل استناد نہیں ہیں۔ اس طرح کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ مقتل الحسین علیہ السلام المنسوب الیٰ ابی مخنف

ابو مخنف لوط بن یحییٰ بن سعید (وفات ۱۵۸ھ) قابل اعتماد مورخین اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ بہت زیادہ احتمال پایا جاتا ہے کہ وہ شیعہ البتہ فریقین کے مورخین کے نزدیک مقبول ہیں۔ اسی لئے بہت سے مورخین اور سیرت نگاروں نے امام حسین علیہ السلام کے قیام کے بارے میں ان کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مورخین کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے:

محمد بن عمر واقدی (وفات ۲۰۷ھ) ابن قتیبہ (وفات ۲۷۶ھ) نے الامامۃ والسیاسۃ میں، محمد بن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے اپنی تاریخ میں، ابن عبد ربہ (وفات ۳۲۸ھ) نے العقد الفرید میں، علی بن حسین مسعودی (وفات ۳۴۵ھ) نے مروج الذہب و اخبار الزمن میں، شیخ مفید (وفات ۴۱۳ھ) نے الارشاد اور النصرۃ فی حرب البصرۃ میں، شہرستانی (وفات ۵۴۸ھ) نے الملل و النحل میں ، خوارزمی (وفات ۵۶۸ھ) نے مقتل الحسین علیہ السلام میں اور آخری

حلقوں میں ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے تاریخ مدینۃ دمشق میں، ابن اثیر (وفات ۶۳۰ھ) نے الکامل فی التاریخ میں، سبط بن جوزی (وفات ۶۵۴ھ) نے تذکرۃ خواص الامہ میں اور ابو الفداء (وفات ۷۳۲ھ) نے المختصر فی اخبار البشر میں۔[1]

نہایت غم واندوہ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ابو مخنف کی اصل کتاب مفقود ہو گئی۔ ہم صرف مورخین کی ذکر کردہ روایات کو جمع کر کے اس کتاب کے ایک حصہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ دور حاضر میں کئی حضرات منجملہ حجۃ الاسلام محمد باقر محمودی، حجۃ الاسلام حسن غفاری اور حجۃ الاسلام محمد ہادی یوسفی غروی نے اس کام پر کمر ہمت باندھی اور ابو مخنف کی کتاب کا وہ حصہ ایک جگہ جمع کیا اور ان ناموں سے شائع کیا: عبرات المصطفین، مقتل الحسین علیہ السلام، استشہاد الحسین علیہ السلام اور وقعۃ الطف۔ (قابل ذکر ہے کہ ابو علی محمد بن محمد بلعمی (وفات ۳۶۳ھ) سامانی وزیر نے تاریخ طبری کا ایک آزاد ترجمہ (اضافات کے ساتھ) کیا جو تاریخ بلعمی کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کا ایک حصہ قیام سید الشہداء امام حسین بن علی علیہما السلام و خون خواہی مختار، بہ روایت وانشاء ابو علی بلعمی کے عنوان سے محمد سرور مولائی کی کوششوں سے منتخب اور شائع ہوئی ہے[2]۔

مذکورہ بالا تالیفات سے پہلے ایک ناشناختہ کتاب ابو مخنف کے شائع ہوئی جسے ہم نے مقتل الحسین علیہ السلام المنسوب الیٰ ابی مخنف کے نام سے ذکر کیا ہے اور آئندہ بھی اس کا ذکر کریں گے۔ اس کتاب کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ اس کے ابو مخنف کی جانب انتساب کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کتاب کے مطالب اور طبری نے ابو مخنف سے جو نقل کیا ہے ان مطالب کے درمیان بہت زیادہ اور نمایاں فرق پایا جاتا ہے اور یہ بات اس انتساب کے غلط ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔

دوسری دلیل اس کتاب میں امام حسین علیہ السلام کی عظیم شخصیت کی جانب منسوب بعض کمزور مطالب کا موجود ہونا ہے جو اس کتاب کے ابو مخنف جیسے مشہور، بھروسہ مند اور قابل اعتماد صاحب قلم سے بہت بعید نظر آتے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ ناشناختہ مطبوعہ کتاب اپنے بعض مخطوطات سے بھی حد معمول سے زیادہ فرق رکھتی ہے اور یہ بات اس پر بھروسہ کے موقع کو گنوا دیتی ہے۔ (یہ کتاب یعنی مقتل ابی مخنف بحار الانوار کے آخر میں شائع ہوئی ہے۔ البتہ اس کا ایک مخطوطہ (کتابت ۱۱۳۰ھ) بھی دار الحدیث کی لائبریری میں موجود ہے جس میں رائج اور شائع شدہ نسخہ میں بالکل غلط اضافات جیسے کتاب کی سند اور ثقۃ الاسلام شیخ کلینیؒ سے روایت نہیں ہے جو شائع شدہ کتاب کے غیر معتبر ہونے کا باعث ہے)

---

[1] وقعۃ الطف، ص 9 (مقدّمہ)

2 کتاب شناسی تاریخی امام حسین علیہ السلام، ص ۴۷

افسوس کی بات ہے کہ مقتل ابی مخنف کی ضرورت اس بات کا باعث بنی کہ بہت سے لوگ اس شائع شدہ نسخہ کی جانب متوجہ ہوئے اور نادانستہ طور پر اس کے بہت سے مطالب کی نسبت ابو مخنف کی طرف دے بیٹھے۔

قابل ذکر ہے کہ آخر کی دو صدیوں میں بہت سے محدثین، مورخین اور کتاب شناسوں نے ابو مخنف کی شخصیت اور ان کی اصل کتاب کی تائید کے بعد اس وقت رائج اور دسترس میں موجود مقتل ابی مخنف کو بے اعتبار اور ناقابل استناد مانتے ہیں اور ان علماء میں مندرجہ ذیل حضرات کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے:

محدث نوری (لولؤو مرجان، ص 236)، میرزا محمد ارباب قمی (اربعین حسینیہ، ص 9)، شیخ عباس قمی (نفس المہموم: ص 9، الکنیٰ والالقاب، ج1 ص 155، ہدیۃ الاحباب: ص 45)، سید عبد اللہ شرف الدین موسوی (مؤلفو الشیعۃ فی صدر السلام، ص 41)، سید حسن الامین ((مستدرکات اعیان الشیعہ، ج 6، ص 255) اور شہید سید محمد علی قاضی طباطبائی۔ (تحقیق در بارۂ اول اربعین حضرت سید الشہداء علیہ السلام، ص ۶۰، ص ۷۶، ص ۲۱۹، ص ۲۲۱، ص ۲۲۲)[1]

۲۔ نور العین فی مشھد الحسین علیہ السلام

نور العین ایک مقتل ہے جو ابو اسحاق اسفرائنی کی جانب منسوب ہے اور یہ عنوان (کنیت یا نسبت) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم اسفرائنی (وفات ۴۱۷ھ یا ۴۱۸ھ) مذہب شافعی کے فقیہ سے مخصوص ہے لیکن قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب نے بھی ان کے زندگی نامہ میں ایسی کسی بھی کتاب کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے[2]۔

دور آخر کے کتاب شناسوں میں سے پہلے اسماعیل پاشا بغدادی (ہدیۃ العارفین، ج 1 ص 8)، ان کے بعد شیخ آقا بزرگ تہرانی (الذریعہ، ج 17، ص 72۔ 73، ش 380) اور یوسف الیان سرکیس (معجم المطبوعات العربیہ، ج 1، ص 436) نے اس کتاب کو ان کی جانب منسوب مانا ہے جو بات اسماعیل پاشا کے نظریہ کے اعتبار کو کم کرتی ہے وہ ان کا وفیات الاعیان کی جانب منبع و ماخذ کے عنوان سے اشارہ کرنا ہے، جبکہ ہمیں وفیات الاعیان میں ایسی کوئی بات نہیں ملی ہے اور خود اسماعیل پاشا نے اپنی ایک دوسری کتاب ایضاح المکنون میں نور العین کے مولف کا ذکر کئے بغیر اس کا تعارف کرایا ہے[3]۔

---

[1] شناسی تاریخی امام حسین علیہ السلام، ص ۷۰؛ عاشورا، عزاداری، تحریفات، ص ۳۹۲، ص ۳۹۵، ص ۳۹۷

[2] طبقات الشافعیہ، ج ۴، ص ۲۵۶؛ وفیات الاعیان، ج ۱، ص ۲۸؛ تبیین کذب المفتری، ص ۲۴۳؛ سیر اعلام النبلاء، ج ۱۷، ص ۳۵۳؛ البدایۃ والنہایۃ، ج ۱۲، ص ۳۰

[3] ایضاح المکنون، ج 2 ص 685

دور حاضر کے کتاب شناس جیسے سید عبد العزیز طباطبائی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اس کتاب کو اسفرائنی کے سر مڑھ دیا گیا ہے، اس لئے کہ اس کتاب کا اسلوب اور طرز تحریر چوتھی صدی (اسفرائنی کی تدریس و تالیف کے برسوں) میں لکھی جانے والی کتابوں سے الگ ہے[1]۔

آخری اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالب بغیر حوالہ کے ہیں اور بعض مقامات پر اس قدر غیر معتبر اور عقل سے دور ہیں کہ جو اس کتاب کے ایک فقیہ اور دانشور کی کتاب ہونے کو بہت بعید قرار دیتے ہیں۔ (جیسے جنگ تیسری محرم سے شروع ہوگئی تھی اور اسی دن امام حسین علیہ السلام نے ایک ہزار دشمنوں کو واصل جہنم کیا، ص ۳۶، نیز دیگر موارد، ص ۵۱، ص ۷، ص ۷۳، ص ۴۱، ص ۴۴، ص ۴۸۔۔۔) لہٰذا امام حسین علیہ السلام کی تاریخ و سیرت میں مہارت رکھنے والے محققین نے اس کا انکار کیا ہے۔ (جیسے شہید قاضی طباطبائی کہ انھوں نے اس کتاب کو ضعف اور جعلسازی میں ابو مخنف کی جانب منسوب مقتل کے مانند اور سراسر کہانی کہا ہے[2]۔

۳۔ روضۃ الشہداء

کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی (وفات ۹۱۰ھ) تاریخی واقعات کو قصہ پردازی (ناول) کی شکل میں بیان کرنے کے سبک و طرز کے موجد ہیں، ان کا سنی یا شیعہ ہونا معلوم نہیں ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کے شیدائی تھے، انھوں نے جوانوں کو جذب کرنے کے لئے تاریخی واقعات بالخصوص واقعہ کربلا کو دلچسپ اور دل پسند نثر کے ساتھ داستان کی صورت میں بیان کیا۔ اس درمیان انھوں نے معتبر اور غیر معتبر، مستند اور غیر مستند مطالب کو مخلوط کردیا، سبک و طرز کا نیاپن، فارسی ہونا، نیز مؤلف کا مقصد کہ ان کی کتاب کو مجالس عزا میں پڑھا جائے یہی باتیں سبب بن گئیں کہ ان کی کتاب نہ صرف یہ کہ ایک تاریخی کتاب ہو بلکہ ایک تبلیغی کتاب یہاں تک کہ تخیلی کتاب شمار کی جانے لگی۔ افسوس کی بات ہے کہ اس بات کی جانب توجہ کا نہ ہونا اور بارہا اس کو پڑھنا اور اس کی نسخہ نویسی کرنا یہاں تک کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام میں برپا ہونے والی مجالس کے ذاکر کو روضہ خوان کہا جانے لگا۔ یہی چیز واقعات کربلا میں اس کتاب کے بہت سی غلط معلومات کے داخل ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے اور متعدد مقامات پر واقعہ کربلا کو بیان کرنے والوں کی ''زبان قال'' کی جانشین ''زبان حال'' بن جاتی ہے۔

اس کتاب کی اصلاح اور اس پر حاشیہ لگانے والے علامہ ابو الحسن شعرانی نے بھی اس کتاب پر اپنے مقدمہ میں اس موضوع کی جانب اشارہ کیا ہے:

---

[1] اہل البیت فی المکتبۃ العربیہ، ص ۶۵۵

[2] تحقیق دربارۂ اولین اربعین حضرت سید الشہداء علیہ السلام، ص ۶۰؛ نیز میرزا محمد ارباب نے اربعین حسینیہ، ص ۲۷۲؛ فضل قزوینی نے الامام حسین علیہ السلام و اصحابہ، ج ۱، ص ۱۵۰

روضۃ الشہداء میں موجود ضعیف روایات پر تعجب نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ واعظ کاشفی کے مقصود کو ادا کرنے میں قوی ہے اگرچہ مورخ کے مقصود کے لئے کافی نہیں ہے۔[1]

علامہ شعرانی سے پہلے میرزا عبد اللہ افندی علامہ مجلسی کے معاون عالم اور کتاب شناس اس کتاب کی اکثر روایتوں کو بلکہ ساری روایتوں کو غیر مشہور اور ناقابل اعتماد کتابوں سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔[2]

علامہ سید محسن الامین نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔[3]

محدث نوری نے کتاب کی بعض روایات کو تاریخی سند کے بغیر کہا ہے[4]۔

شہید مطہری نے اسے جھوٹ سے بھری کتاب اور اس کی تالیف و اشاعت کو امام حسین علیہ السلام کی واقعی تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا ہے[5]۔

شہید سید محمد علی قاضی طباطبائی نے بھی روضۃ الشہداء کے مطالب کو معتبر مقاتل سے ٹکراؤ کی بنا پر بے وقعت اور درجۂ اعتبار سے گری کتاب کہا ہے[6]۔

کئی ناقابل یقین روایات و واقعات کے نمونوں کو اس کتاب میں جگہ جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔

۴۔ المنتخب فی جمع المراثی والخطب

فخر الدین محمد علی بن احمد الطریحی (وفات ۱۰۸۵ھ) کتاب مجمع البحرین کے مولف، نے امام حسین علیہ السلام اور بعض دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث و مراثی کا ایک مجموعہ تیار کیا، انھوں نے مومنین کو رلانے اور انھیں عزاداری کی جانب تشویق کی خاطر ان احادیث و مراثی کو کشکول کی صورت میں اکٹھا کیا۔

المنتخب امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ یا آپ کے قیام کی کوئی علمی تاریخ نگاری نہیں ہے۔ اس کتاب کے زیادہ مطالب منابع اور حوالے کے ذکر کے بغیر اور اس کی احادیث سند کے لحاظ سے مرسل ہیں، اس میں کھوٹی اور کھری سب مخلوط ہیں۔ اس لئے اس کتاب کو مؤلف کے مقصد اور طرز تحریر کی مناسبت سے المجالس الطریحیہ یا المجالس الفخریہ بھی کہا گیا ہے۔ اس کتاب کی دوسری کمزوری اس کے مختلف نسخوں میں موجود اختلافات ہیں جو بعض مقامات پر اس کتاب میں

---

[1] روضۃ الشہداء، ص6 (مقدّمہ)

[2] ریاض العلماء، ج2، ص190

[3] اعیان الشیعہ، ج6، ص122

[4] لؤلؤ و مرجان، ص287۔-288

[5] حماسۂ حسینی، ج1 ص54

[6] تحقیق دربارۂ اولین اربعین حضرت سید الشہداء علیہ السلام، ص66

دست درازی کی نشاندہی کرنے والے ہیں[1]۔ محدث نوری نے المنتخب طریحی کو موہون (ضعیف) اور غیر موہون روایات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔[2] میرزا محمد ارباب قمی نے اس کتاب میں موجود کئی مسامحات، غفلت برتنے کی نشاندہی کی ہے اور وہ روایات جو صرف اسی کتاب میں آئی ہیں انھیں معتبر نہیں مانا ہے[3]۔ کتاب کے بعض ضعیف مطالب قابل تردید و رد ہیں قارئین کرام کو انھیں دیکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

۵۔ محرق القلوب

محرق القلوب ملا مہدی نراقی (وفات ۱۲۰۹ھ) کی تالیف ہے۔ انھوں نے روضۃ الشہداء سے اقتباس کرتے ہوئے ایسے مطالب کو پیش کیا ہے کہ جو نہایت ولولہ خیز انداز میں عوام کے احساسات و جذبات کو واقعہ کربلا کی جانب کھینچتے ہیں لیکن چونکہ ملا مہدی نراقی کا ماخذ و منبع روضۃ الشہداء ایک ضعیف کتاب ہے اور وہ صحیح و غلط مطالب سے مخلوط ہے لہٰذا ان کی تالیف بھی ضعیف اور نامعتبر روایات و واقعات پر مشتمل ہے۔

ملا نراقی نے خود اپنی کتاب کے بعض مطالب کے ضعیف ہونے کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ [4] اسی لئے وہ اپنے بعد کے بعض علماء کی تنقید کا نشانہ بنے ہیں[5]۔ میرزا محمد تنکابنی نے اس کتاب کے بعض واقعات کو مظنون (خیالی) یا سراپا جھوٹ مانا ہے۔ محدث نوری نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ایسے عظیم عالم سے ایسی کتاب کی تالیف کو منکر کہا ہے[6]۔

شہید مطہری بھی ملا مہدی نراقی کو عظیم فقیہ مانتے ہیں لیکن انھیں تاریخ عاشورا کے بار میں صاحب اطلاع نہیں مانتے ہیں اور اس کتاب کے بعض مطالب پر تنقید کرتے ہیں[7]۔

قابل ذکر ہے کہ اس کتاب کا ملا نراقی کی جانب منسوب ہونا مشہور ہے[8]۔ البتہ یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب تعلیم کے ابتدائی مراحل میں اور علمی کمال کے مراتب تک رسائی سے پہلے لکھی ہو۔

---

[1] شیخ آقابزرگ تہرانی کا قول الذریعہ میں، ج22، ص420، ش7696

[2] لؤلؤ و مرجان، ص287

[3] اربعین حسینیہ، ص64

[4] محرق القلوب: مقدّمہ، نقل از عاشوراپژوہی، ص406

[5] قصص العلماء، ص146

[6] لؤلؤ و مرجان، ص245

[7] حماسۂ حسینی، ج1، ص28

[8] رجوع کیجئے: الذریعہ، ج4، ص461، ش2056؛ اور ج20، ص149، ش2329، اور ج21، ص359، ش5452؛ ایضاح المکنون: ج2، ص443، ہدیۃ العارفین، ج2، ص352

توحید اور دعائے عرفہ

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

خلقت انسانی کا اصل ہدف خدا کی معرفت اور اس کی عبادت و پرستش ہے، خداوند کریم نے اپنے مرسلین اور ان کے اوصیاء کو اسی پر مامور کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس کی ذات والا مقام سے آشنا کرائیں اور ان کو شرک وجہالت کے مہلک امراض سے نجات دے کر صراط مستقیم کی طرف ہدایت کریں، چونکہ ان کی نجات خدا کی معرفت کے بعد اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ہے اور اسی کے سایہ میں ایک باخلاق اور پر امن معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

اگرچہ خداوند عالم نے اپنی معرفت کے لئے انسان کو عقل جیسی نعمت سے نوازا ہے کہ جو اثر کو دیکھ کر موثر، معلول کو دیکھ کر علت، نظم کو دیکھ کر ناظم اور مخلوق کو دیکھ کر خالق کا پتہ لگاتی ہے۔ لیکن عموما عقل بعض وجوہات مثلا تربیتی و معاشرتی غلط افکار و عقائد کے گرد و غبار پڑ جانے کی وجہ سے بہت سے حقائق کو درک کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے جس کی بنا پر اپنے حقیقی منعم و محسن کو نہیں پہچان پاتی اسی لئے خداوند عالم نے اس گرد و غبار کو ہٹانے، اور اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے کے لئے اپنے مرسلین اور ان کے اوصیاء کو مامور کیا ہے

اسی بنا پر معارف توحید کو اس کی نازل کردہ کتاب کے علاوہ اس کے فرستادہ نبیوں اور منتخب کردہ ائمہ کے کلام و سیرت میں زیادہ بہتر پایا جاتا ہے، اسی لئے ہم نے اس مقالہ میں یہ قصد کیا ہے کہ خداوند عالم کی معرفت کو ایسی ذات کے کلام میں تلاش کیا جائے کہ جس نے اس کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے بعد شکوہ و شکایت کے بجائے شکر پروردگار ہی ادا کیا ہے اور وہ خاتم المرسلین کے نواسہ، شیر خدا اور سیدہ نساء العالمین کے پارہ جگر سرکار سید الشھداء امام حسین علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے کہ جنھوں نے دعای عرفہ میں معرفت خدا کے سلسلہ میں عالی ترین کلمات و جملات کو اپنی زبان اقدس پر جاری کیا ہے کہ جو واقعا خدا شناسی کا ایک بہترین ذخیرہ اور نمونہ ہے۔

یہ دعا خدا شناسی کا ایک عظیم منبع ہے اس کی سند میں کوئی خدشہ نہیں ہے اگرچہ بعض افراد نے اس دعا کے امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے میں تردید کی ہے لیکن ان کی یہ بات غیر قابل قبول ہے کیونکہ جس شخص (ابن عطاء اللہ) کی طرف اس دعا کے متن کو منسوب کیا گیا ہے اس نے اس دعا کے ناقل (سید بن طاوس) سے سینتالیس سال سات ماہ بعد رحلت کی ہے۔ جو عام طور سے غیر معقول ہے دوسرے اس دعا کی فصاحت و بلاغت اور اس کے بلند ترین مفاہیم اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا غیر معصوم کی زبان سے صادر ہونا محال ہے تیسرے اس دعا کا ابتدائی حصہ تو عمومی ہے

یعنی ائمہ کی دیگر دعاوں سے ملتاہے مثلاحمد خدا وغیرہ لیکن اس کا آخری حصہ امام حسین علیہ السلام کے موجودہ دیگر بیانات سے بہت ہم آہنگ ہے سید ابن طاوس کہ جو مذہب امامیہ کی عظیم ترین شخصیت ہیں ان سے بہت بعید ہے کہ اپنی ”اقبال الاعمال“جیسی کتاب میں ایک غیر معتبر دعا کو امام حسینؑ کے نام سے درج کریں۔

اس کے علاوہ ہماری دیگر معتبر کتابوں میں بھی یہ دعا امام حسین علیہ السلام سے منسوب ہے جن میں ”بحار الانوار“،و”مفاتیح الجنان“ سر فہرست ہیں اس کے علاوہ یہ علماء کی مورد توجہ رہی ہے کہ ہماری اطلاع کے مطابق اب تک ۳۳ شرحیں اس پر لکھی جاچکی ہیں[1] لہذا ہم نے بہتر یہ سمجھا کہ دعای عرفہ میں خدا شناسی کے عنوان سے ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تاکہ ہمارے قارئین امام حسین علیہ السلام کی، معرفت خدا اور اس کے سامنے ان کے مطیع و فرمانبردار ہونے کا اندازہ لگا سکیں اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے کو خدا کی ملکیت سمجھیں،اور مشکلات و شدائد پر اعتراض کے بجائے سر تسلیم خم کر کے اپنے پرودگار کی رضا پر راضی ہیں۔

امام حسینؑ نے اس دعامیں یہ بیان کیاہے کہ خداوند عالم کی ذات و صفات کو کماحقہ سمجھنا انسان کی قدرت سے باہر ہے لہذا اس دعا کے ایک ٹکڑے میں فرمایاہے: ”اے وہ کہ جس کے صفات کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا“

اسی مطلب کی طرف قرآن کریم کی آیات بھی اشارہ کرتی ہے ں: ”**یحذر کم اللہ نفسه**“[2] خداوند عالم تمہیں اپنی ذات میں غور و خوض سے ڈراتا ہے

ولا یحیطون به علما[3] ”انسان کچھ علم بھی خدا کے متعلق نہیں رکھتا“ **وما قدرو اللہ حق قدرہ**[4]

ایک طرف دعائے عرفہ میں اس قسم کے جملات ملتے ہیں: ”اس کی ذات و صفات کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تو دوسری طرف ایسے جملات و کلمات بھی ہیں کہ جو صفات الہی کی معرفت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر یہ دو قسم کے مختلف جملات کیوں ؟

اس کا جواب یہ ہے خداوند عالم کی ذات اقدس میں وہ غور و خوض ممنوع ہے جو بشر کی طاقت سے باہر ہے چونکہ ممکن ہے وہ اس کی گمراہی و ضلالت کا سبب بن جاے اس لئے کہ وہ مادی چیزوں سے سروکار رکھتاہے، لیکن دعا کے وہ جملے جو خدا

---

[1] خدا شناسی در دعای عرفہ ص45

[2] ۔ آل عمران28و۳۰

[3] ۔ سورہ طہ آیت ۱۱۰

[4] ۔ سورہ سورہ حج آیت ۷۴ وانعام آیت ۹۱ زمر ۶۷

کی معرفت کا حکم دیتے ہیں وہ خدا کے اسماء وصفات کی ایسی شناخت ہے جو ہر انسان کو ایک حد تک خداوند متعال کی معرفت سے آشنائی کراتے ہیں جو ہر انسان کے لئے اجمالی طور پر ضروری ہے اور جو ہر شخص کے لئے قابل فہم ہے۔

خدا شناسی کے لئے چند طریقے پیش کئے گئے ہیں اب دیکھنا یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے کونسا طریقہ اپنایا

دعائے عرفہ میں خدا شناسی پر امام حسینؑ کی روش:

امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں خدا شناسی کی جو بہترین روش ہم کو بتائی ہے وہ خدا کی شناخت خود اسی کے ذریعہ ہے نہ اس کی مخلوق و و دیگر وسائط کے ذریعہ لہذا آپ نے خدا شناسی کو مخلوق شناسی پر مقدم کیا ہے اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں: ”تونے اپنی معرفت وشناخت کا مجھ پر الہام کیا، تونے اپنی معرفت کے انوار کو اپنے اولیاء کے دلوں میں روشن کیا، یہاں تک کہ انھوں نے تجھ کو پہچانا اور واحد جانا وہ چیز کیسے تیرے وجود پر دلیل بن سکتی ہے کہ جو اپنے وجود میں خود تیری محتاج ہو؟ تو کب غایب و پنہان ہے کہ تیری معرفت میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت پڑے تو کب ہم سے دور ہے کہ تیرے آثار ہم کو تجھ تک پہچائیں، وہ آنکھ اندھی ہو جائے جو تیری نظارہ نہ کر سکے، میں تیری ذات سے تیری معرفت پر دلیل چاہتا ہوں پس اپنے نور سے مجھ کو اپنی طرف راہنمائی فرما۔

امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں توحید الہی کو محور قرار دیا ہے اور توحید کی مختلف اقسام مثلا توحید ذات، توحید صفات، توحید فاعلی و توحید مالکی کو بیان کیا۔

توحید ذات:

تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں کہ جس نے کسی کو اپنا بیٹا قرار نہیں دیا کہ جو اس کا وارث قرپائے، حکومت میں کوئی اسکا شریک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کا سرپرست اور نگہبان ہے جو ذلت و خواری کے ساتھ اس کے ساتھ رہے تاکہ خلقت میں اس کی مدد کرے وہ اس سے مبرہ ہے

اگر زمین وآسمان میں اس کے سوا کوئی خدا ہوتا تو زمین وآسمان دونوں تباہ ہوجاتے وہ خدا پاک ومبرّہ ہے۔

اس کا کوئی بیٹا نہیں، اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے، کوئی اس کا نظیر نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے: تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی تیرا شریک نہیں ہے۔

کوئی تیرا ہمتا نہیں ہے۔

توحید صفات:

توحید صفات کا مطلب یہ ہے خدا کی صفات اس کی عین ذات ہے،یعنی وہ اپنی ذات کی طرح ازلی و ابدی ہے یعنی جو اس کی ذات ہے وہی صفات ہے فقط عنوان مختلف ہیں جیسے آپ اپنے گھر میں اپنے بیٹے (محمد) کو چاند کے نام سے پکارتے ہیں تو یہاں دو نام ہیں لیکن چیز ایک ہے اسی طرح وہاں عنوان بہت سے ہیں لیکن ذات ایک ہے اسی طرح اللہ، رحیم، رحمن ،کریم وغیرہ یہ اللہ کے متعدد اسماء ہیں جو ایک ہی ذات پر صادق آتے ہیں

توحید فاعلی :

توحید فاعلی کا مطلب اس بات کا عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ دنیا اپنے تمام سسٹم (علل و معلول) کے باوجود مشیت الہی کے ماتحت جاری و ساری ہے بذات خود رواں دواں نہیں ہے بلکہ وہ جن علل و اسباب کی بنا پر قائم و دائم ہے ان پر صرف اور صرف خدا کا فیضان اور اسی کا دست کرم ہے اگر وہ وہ اپنے فیضان کو ہٹالے تو یہ جہان نیست و نابود ہو جائے، دعائے عرفہ میں بہت سے جملات و فقرات اسی مطلب کو بیان کرتے ہیں: جو انسانوں کے تمام کے امور کی تدبیر اور ان کی خاص و عام ہدایت و توفیقات کو خدا کے دست قدرت میں جانتے ہیں مثلاان جملوں کو ملاحظہ فرمائیں:

خدا نے مجھ کو خاک سے پیدا کیا پھر مجھے صلبوں میں قرار دیا۔

اے وہ کہ جس کو میں نے بیماری کے وقت پکارا تو مجھ کو شفا دی، برہنگی کے وقت صدا کی تو مجھے کپڑا پہنایا، بھوک کے وقت پکارا تو مجھے سیر کیا، پیاس کے عالم میں ندا دی تو سیراب کیا۔

اے یونس کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالنے والے، اے وہ کہ جس نے دریا کو بنی اسرائیل کے لئے شگافتہ کیا، اور ان کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دی۔

در حقیقت یہ اس جملہ کی توضیح ہے "لا موثر فی الوجود الا اللہ " اشیاء کو وجود بخشنے میں صرف اور صرف خدا کا ہاتھ ہے اس کے علاوہ کسی کا نہیں

توحید مالکی:

اس کا معنی یہ ہے کہ پوری کائنات کا مالک صرف اور صرف اکیلا خدا ہے یہ چیزیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ہم ان کے مالک نہیں ہیں بلکہ ان کا مالک حقیقی خدا ہے یہ اس کی امانت ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اس نے ہم کو ان سے استفادہ کرنے کا حق دیا ہے کہ ہم اپنی زندگی چلانے کے لئے ان سے استفادہ کریں اور ان کی خرید و فروخت کریں لیکن یہ چیزیں جہاں بھی رہیں گی حقیقت میں خدا ہی کی ہیں ہم تو جیسے خالی ہاتھ دنیا میں آئے تھے اسی طرح خالی ہاتھ جانا ہے۔

امام حسین علیہ السلام اپنی تمام چیزوں کو خدا کی ملکیت سمجھتے تھے لہذا جب کربلا کے میدان میں آپ کے قلب مطہر پر تیر لگا تو پشت کی جانب سے یہ کہتے ہوئے "بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ" زخم کے نیچے ہاتھ رکھا اور جب چلو خون سے پر ہو گئی تو آسمان کی طرف یہ کہتے ہوئے پھینکا "**ہون علی مانزل بی انہ بعین اللہ**"[1] کیونکہ امام حسین اپنے تمام مال اسباب حتی اعضاء و جوارح کو بھی خدا کی امانت سمجھتے تھے اسی لئے آپ نے یہ کلمات اپنی زبان اقدس پر جاری فرمائے ہیں۔

امام علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں خدا کے اسماء وصفات کا ذکر اس طرح کیا ہے: کہ ہر انسان کو اس سے خدا کی معرفت میں بہت مدد ملتی ہے یوں تو خدا کے اسماء بہت زیادہ ہیں لیکن ایک مجموعی تقسیم کے تحت تمام اسماء ۴، اسماء میں خلاصہ ہوتے ہیں اور وہ چار اسماء یہ ہیں "اول، آخر، ظاہر وباطن" اور یہ چار اسم خدا کے دو نام "اللہ ورحمن" میں خلاصہ ہوتے ہیں "قل ادعو اللہ والرحمن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی"[2]

اسی طرح اس کی صفات بہت زیادہ ہیں لیکن بعض صفات ایسی ہیں جو تمام صفات کو شامل ہیں مثلا علم، حیات، ارادہ، قدرت، کلام، سمع وبصر کہ ان کو "امہات سبع" (سات اہم صفات) کہتے ہیں۔

حکیم سبزواری کہتے ہیں: خدا کے اسماء میں "ائمہ اسماء" (یعنی اہم نام) سات ہیں اور وہ یہ ہیں: حی، عالم، مرید، قدیر، سمیع، بصیر و متکلم کہ در حقیقت یہ "اصول اسماء" میں شمار ہوتے ہیں اور دوسرے نام ان ہی میں جمع ہوتے ہیں

لہذا ہم انہیں اسماء کا دعائے عرفہ میں ذکر شدہ اسماء میں سے تذکرہ کریں گے کیونکہ دوسرے صفات ان ہی میں جمع ہیں اس کے بعد دوسرے اسماء وصفات کا تو صرف فہرست وار بغیر توضیح کے ذکر کریں گے۔ آئیے اب ان اہم صفات کو دعائے عرفہ میں تلاش کریں کہ امام علیہ السلام نے کیسے خدا کے متعلق ان صفات کو بیان کیا ہے۔

۱۔علم

الف: اے وہ کہ جو ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے۔ "یامن احاط بکل شی علما"

ب: اے وہ کہ جو اپنے صفات سے خود آگاہ ہے، اے وہ کہ جو اپنی حقیقت سے صرف خود آگاہ ہے "یامن لا یعلم کیف ھو الا ھو یامن لا یعلمہ الا ھو"

---

[1] ۔لھوف علی قتلی الطفوف ص ۱۲۴

[2] سورہ کہف آیت ۱۱۰

ج:وہ آنکھوں کی خیانت،دلوں کے پوشیدہ اسرار اور آیندہ ہونے والے حادثات کو جانتا ہے" یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور غیب ما تاتی بہ الازمان والدھور"

د:میرے خدا مجھے اپنے ذخیرہ شدہ علم سے سکھا" الھی علّمنی من علمك المخزون"

۲ ۔ قدرت :

وہ ہر چیز پر قادر ہے، تیرے سواء کوئی پشت پناہ نہیں ہے اور نہ تجھ سے بالاتر کوئی قدرت والا ہے

۳۔حیات

اے(ایسے)زندہ کہ جس سے پہلے کوئی زندہ نہ تھا"یا حیا حین لا حی"

۴و۵۔ سمیع وبصیر

الف:وہ ہے سننے اور دیکھنے والا۔ "وھو السمیع البصیر"

ب:وہ ہے دعاوں کو سنے اور قبول کرنے والا۔ "وھو للدعوات سامع"

ج:اے سب سے زیادہ سنے اور سب سے زیادہ دیکھنے والے "یا اسمع السامعین و ابصر الناظرین"

د:خدایا تو دعاء کو سب سے زیادہ سنے والا ہے" اللھم انك اسمع من سئل"

۶ ۔ ارادہ ومشیت :

الف:خدایا تیرا فرمان جاری و نافذ تیری مشیت قاہر کہ کسی بھی بولنے والے کو بولنے کی مجال نہیں دیتی "الھی حکمك النافذ و مشیتك القاھرة لم یترکا لذی مقال مقالا"

ب: میرے خدا میں نے آثار و اطوار کے تحول سے (اس بات کو) جانا کہ تو مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ ہر چیز میں اپنے کو پہچنوائے۔

"الھی علمت باختلاف الاثار و تنقلات الاطوار ان مرادك منی ان تتعرف الی فی کل شی"

اس کے علاوہ وہ دوسرے اسماء ذات،صفات وافعال بھی ہیں کہ جن کو امام حسین علیہ السلام نے دعای عرفہ میں ذکر فرمایا ہے لیکن ہم طولانی ہونے کے ڈر سے صرف ان کو معنی کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں:

اسماء ذات

اللہ: تمام صفت حسنہ کا مالک۔ احد: یکتا۔ ذو الجلال: صاحب جلالت وبزرگی۔ رب: پروردگار۔ رقیب: نگہبان و حاضر۔ سبحان: منزہ و پاکیزہ۔ صمد: ہر چیز سے بے نیاز۔ ظاہر: آشکار۔ عزیز: باعزت وغالب۔ عظیم: صاحب عظمت وبزرگی۔ علی: بلند مرتبہ وبرتر۔ غنی: بے نیاز۔ قدوس: پاک و پاکیزہ۔ کبیر: بزرگ وبلند مرتبہ۔ مجید: بزرگوار۔ متعالی: بلند وبرتر۔ ملک: بادشاہ ،فرمانروا۔ نور: روشن واضح۔ واحد: اکیلا، یگانہ ویکتا۔ ہو جو تمام تعین و اضافات سے مبرہ اور غائب ہے

اسمائے صفات

بصیر: بینا حی: زندہ حلیم: بردبار۔ حکیم: صاحب حکمت۔ خبیر: آگاہ۔ رؤف: مہربان۔ رحیم: مومنین کے لئے مہربان رحمن: دنیامیں تمام مخلوق کے لئے مہربان۔ سمیع: سنے والا۔ شکور وشاکر: شکر گذار۔ علیم: داناو آگاہ۔ غفور وغفار: بخشنے والا۔ قاہر وقہار: غالب۔ کریم: کرم فرما۔ قدیر و قادر: اپنی مرضی کے مطابق نجام دینے والاور اپنی مرضی کے مطابق چھوڑنے والا۔

اسمائے افعال

آمر: فرمانروا۔ اقرب: بہت زیادہ نزدیک، بدیع: بے نظیر موجد، جواد: سخی، بخشنے والا، حفیظ: تمام مخلوق کی حفاظت کرنے والا۔ حفی: مہربان، حمید: ستودہ، قابل تعریف۔ خالق: پیدا کرنے والا، دائم ہمیشہ رہنے والا۔ دافع: ہٹانے والا دور کرنے والا، دلیل: راہنما، حجت، ذاکر: ایک لمحہ بھی اپنی مخلوق سے غفلت نہ کرنے والا۔ ذوالمعروف: ہمیشہ احسان کرنے والا، راضی: خوشنود، رافع: بلند کرنے والا، رازق: ہمیشہ زرق دینے والا۔ ساتر: پردہ پوشی کرنے والا۔ ،شافی: امراض سے شفا بخشنے والا۔ صاحب: ہمدم ومونس۔ ،صانع: بنانے والا ایسا کاریگر کہ جس کی بنائی ہوئی چیز میں کوئی نقص نہ ہو۔ عاصم: باعصمت، محفوظ، بچانے والا اور محافظ ،عافی وعفو: بخشنے والا درگذر کرنے والا توبہ قبول کرنے والا۔ عدل: وہ کہ جس کے تمام افعال پندیدہ اور ظلم و قباحت سے دور ہیں ،فاضل ذو الفضل: صاحب بخشش و نعمت۔ فاطر: پردہ عدم کو چیر کر وجود میں لانے والا۔ قائم: ہر چیز پر مسلط ومدبر۔ ، کاشف: رنج و غم کو دور کرنے ولا۔ ،کافی: بندوں کے امور کی کفایت کرنے والااور ان کو ان کی مراد تک پہچانے والا۔ ، لطیف: تمام دقیق امور پر علم و احاطہ رکھنے والااور ان کو نرمی اور مدارا کے ساتھ اپنی مشیت کے مطابق انجام دینے والا۔ مانع: غیر مستحقین سے روکنے والا۔ مبدی: کسی پہلے نمونہ کے بغیر اشیاء وجود میں لانے والا۔ مجیب: حاجت طلب کرنے والوں کی حاجتوں کا پورا کرنے والا۔ محسن: عطا، بخشش وانعام سے نوازنے والا۔ محی: زندہ کرنے والا۔ مدبر: متعدد اشیاء کو ایسا منظم کرنے والا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی مخصوص جگہ قرار پائے۔ معطی: عطا کرنے والا۔ معید: قیامت کے حساب کے دوبارہ زندہ کرنے والا۔ معین: مدد کرنے والا، مغنی: بے نیاز کرنے والا۔ مقیل: چھپانے والا گناہوں کو بخشنے والا، ممیت: مارنے

والا دعائے عرفہ میں اس سے مراد یہ ہے کہ خدایا مجھ کو اپنے غضب کے عالم میں نہ اٹھانا" اللھم لاتمتنی علی غضبك" خدایا مجھے اپنی ناخشگی کے عالم میں اس دنیا سے نہ اٹھانا۔ منان زیادہ اور قیمتی نعمتوں کا بخشنے والا۔ مُنزِل مُنزِل: نازل کرنے والا۔ منشی: خلق کر کے تربیت کرنے والا۔ منعم: نعمت دینے والا۔ مونس: یار و ہمدم، مُیَسّر: آسایش وآرام فراہم کرنے والا۔ نصیر و ناصر: تنہایاور و مددگار توانا۔ واسع:: فراگیر و نامحدود۔ وہّاب: بے نہایت بخشنے والا اپنے مال و اسباب کو بلا عوض بخشنے والا۔ ہادی: ہدایت و راہنمائی کرنے والا

ہمارے قارئین خدا کے ان سماء کے ذریعہ اپنے خالق ورازق کی کافی حد تک معرفت حاصل کر سکتے ہیں ہم احسان مند اپنے امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کے کہ جھنوں نے ہم کو بنحو احسن اپنی مخصانہ دعا کے ذریعہ خدا کی معرفت کرائی ہے تا کہ ہم "وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون" پر عمل کر سکیں اور اس کے حکم معرفت کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر سکیں آخر میں ہم اپنے قارئین اور خاص طور سے سید محمود عمرانی صاحب کے لئے دعا گو ہیں کہ جن کی کتاب "خداشناسی در دعای عرفہ حضرت امام حسینؑ" سے ہم نے اس مقالہ میں استفادہ کیا ہے۔

شیعوں کے نزدیک عقیدہ امامت اتنا اہم کیوں ہے؟

ظہور مہدی قمی

امامت، ایک ایسا الہی و معنوی کمال و مقام ہے کہ جسے قرآن حکیم نے کمال انسانی کی سیر کی آخری منزل قرار دیا ہے اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے درمیان بھی فقط اولو العزم پیغمبروں کو اس عظیم کمال سے نوازا گیا ہے، جن میں سے ایک خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ اللہ عزوجل نے جن کے فولادی عزم و حوصلہ کو پرکھنے کے بعد انھیں اس کی بشارت دی ہے، جس کی طرف قرآن حکیم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:" واذابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن، قال انی جاعلك للناس اماماً، قال ومن ذریتی، قال لا ینال عهدی الظالمین"[1]

یعنی یاد کرو اس وقت کو جب اس کے پروردگار نے ابراہیم کو مختلف وسیلوں سے آزمایا اور وہ ان میں پورے اترے تو اللہ نے فرمایا: میں نے تمھیں لوگوں کا امام قرار دیا، ابراہیم نے کہا: میری ذریت سے بھی (امام قرار دے)، اللہ نے فرمایا: میرا (یہ) عہد و پیمان (امامت) ہرگز ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ یعنی تمھاری ذریت میں سے فقط بالکل پاک اور معصوم افراد ہی اس کمال تک پہنچیں گے۔ اس آیہ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مقام و کمال اتنا باعظمت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کمال و مقام نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے اور متعدد کٹھن امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آخری عمر میں اس پر فائز ہوئے ہیں۔

قابل ذکر ہے کہ یہ کمال و مقام بعض موارد میں نبوت و رسالت کے ساتھ جمع ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم اور سرکار پیغمبر خاتم علیہما السلام کی ذات و شخصیت میں یکجا ہوا ہے لیکن بعض موارد میں یہ نبوت و رسالت سے الگ اور تنہا پایا جاتا ہے جیسے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی ذوات میں کہ وہ فقط مقام امامت کے حامل ہیں اور نبی و رسول نہیں ہیں۔ اس مختصر البتہ ضروری تمہید کے بعد اب ہم اس اہم سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ جسے اس مقالہ کا عنوان قرار دیا گیا ہے:

جواب:

اس حوالہ سے سب سے پہلی اہم بات یہ ہے کہ ہمارے بارہ معصوم اماموں کی امامت، خط نبوت و رسالت کے استمرار اور تداوم کے علاوہ کوئی دوسری شے نہیں ہے، لہذا جن دلائل و ضروریات کی وجہ سے انبیاء و مرسلین کی بعثت ضروری اور

[1] ۔قرآن مجید، پارہ ۱، سورہ بقرہ، آیہ ۱۲۴۔

اہم ہے، انھیں دلائل وضروریات کی وجہ سے سلسلہ نبوت ورسالت کے خاتمہ کے بعد سلسلہ امامت کاقیام بھی ضروری اور اہم ہے اور شیعہ اسی لئے اس عقیدہ اور سلسلہ کوضروری اور نہایت اہم سمجھتے ہیں۔ وہ (شیعہ اثنا عشری) اس عقیدہ کی اہمیت پر جن دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں، ان میں چند یہ ہیں:

۱۔ بلاشبہ، خداوند حکیم ومہربان نے اولاد آدم (انسان) کو راہ کمال و سعادت طے کرنے کے لئے پیدا کیاہے اور انھیں اس عظیم و خطیر مقصد تک پہچانے کے لئے راہنما اور مددگار کے طور پر انبیاء ومرسلین کو مبعوث فرمایا ہے، پس ان کی نبوت و رسالت کے خاتمہ کے بعد بھی چونکہ انسانوں کی راہنمائی اور مدد کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، اس لئے خداوند لطیف و حکیم نے اپنے آخری پیغمبر کے بعد بارہ معصوم اماموں کے سلسلہ امامت کو صبح قیامت تک کے لئے جاری و ساری فرمایا ہے۔

اگر ایسانہ ہوتا تو پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد آنے والی امت ہادی اور راہنما سے محروم رہ جاتی اور اس سے قرآن حکیم کی اس آیہ کریمہ کی مخالفت لازم آتی "انما انت منذر ولکل قوم ھاد"[1]

۲۔ بلاشبہ خداوند وہاب ومنان نے انسان کو عقل جیسی بیش بہادولت عطا کی ہے، لیکن اس عالم مادہ میں ہوا وہوس اور دیگر موانع کی وجہ سے عقل کے لئے کمال و سعادت کے تمامتر اسباب و عوامل کو پہچاننا نہایت مشکل کام ہے، اس لئے اس کی راہنمائی، مشکل کشائی اور مدد کے لئے جس طرح انبیاء و مرسلین کی بعثت اہم ہے، اسیطرح سلسلہ نبوت کے اختتام کے بعد سلسلہ امامت کا نفاذ، قیام اور دوام اہم ہے۔

۳۔ اس بات کاقوی امکان پایاجاتاہے کہ انبیاء و مرسلین کی رحلت کے بعد ان کادین و آئین تحریفات و خرافات کی نذر ہوجائے، لہذا اس کے مکمل تحفظ کے لئے اللہ عزوجل نے اپنے آخری رسول کی رحلت کے بعد بارہ معصوم محافظ و نگہبان قرار دیئے ہیں کہ جنھیں "امام" کہاجاتاہے۔ اگر کوئی بعنوان اعتراض یہ کہے کہ اس بات کاقوی تو کیاضعیف امکان بھی نہیں پایاجاتا، چونکہ خود براہ راست خداوند قدیر نے قرآن حکیم میں اس کے تحفظ کی ضمانت یہ کہہ کر لی ہے: "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون"[2] اس کاجواب یہ ہے کہ خداوند حکیم نے اس کے تحفظ کی یہ ضمانت اسی لئے لی ہے کہ پیغمبر خاتم کے بعد نظام امامت کی شکل میں اس کا ابدی انتظام فرمایا ہے۔

---

[1] قرآن مجید، پارہ ۱۳، سورہ رعد، آیہ ۷۔

[2] قرآن مجید، پارہ ۱۴، سورہ حجر، آیہ ۹۔

ظاہر ہے کہ یہ "تحفظ" بغیر اسباب و وسائل کے ممکن نہیں ہے، بنابرین انھیں "اسباب و وسائل تحفظ" کا نام "نظام امامت" ہے، جو بحکم خداوند عزیز و حکیم سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے شروع ہوا اور صبح قیامت تک باقی رہے گا، نیز ایک لمحہ کے لئے بھی یہ زمین وجود امام سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"ان الارض لا تخلو الا و فیھا امام، کیما ان زاد المومنون شیئا ردھم و ان نقصوا شیئا اتمه لھم"[1] یعنی زمین کسی بھی حال میں امام سے خالی نہیں رہے گی، اس لئے کہ اگر مومنین (دین و شریعت میں) کسی چیز کا اضافہ کریں گے، تو امام ان کی تردید کرے گا اور وہ کوئی چیز کم کریں گے تو امام اسے ان کے لئے تمام و کامل کرے گا۔

امام صادق علیہ السلام کی مذکورہ حدیث میں جہاں سلسلہ امامت کے صبح قیامت جاری و ساری رہنے کو بیان کیا گیا ہے، وہیں اس کی ایک ضرورت، حکمت اور فلسفہ کی طرف بھی واضح اشارہ کیا گیا ہے اور وہ خدا اور رسول کے "دین و آئین" کو تحریفات سے محفوظ رکھنا ہے۔

۴۔ قیام عدل وانصاف کے لئے الہی و دینی حکومت کی تشکیل:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایسی الہی و دینی حکومت کی تشکیل کہ جس میں ہمہ جہت عدل و انصاف قائم و نافذ ہو فقط معصوم اشخاص کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

خداوند متعال نے اسی لئے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے، جو سب کے سب معصوم تھے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔۔"[2] بیشک ہم نے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی ہے، تاکہ لوگ عدل و قسط قائم کریں۔۔۔

ظاہر ہے کہ ختم نبوت و رسالت کے بعد بھی یہ ضرورت باقی ہے تو اس کے نفاذ و قیام کے لئے رسولوں کی طرح معصوم افراد کا ہونا بھی ضروری ہے، اور وہ افراد "جانشینان رسول" یعنی ائمہ اثنا عشر ہیں کہ جن کی عصمت آیہ ابتلاء اور آیہ اولی الامر وغیرہ کے علاوہ بے شمار معتبر و متواتر روائی نصوص سے ثابت ہے۔ آخر کلام میں عرض ہے کہ اس مقالہ کی بنا چونکہ اختصار پر ہے، اس لئے اسے یہیں ختم کیا جارہا ہے۔ ارباب تحقیق اگر مزید اس سلسلہ میں مفصل و متقن دلائل جاننا چاہتے ہیں، تو وہ عبقات الانوار اور الغدیر جیسی عظیم تحقیقی کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

---

1 کلینی، یعقوب، اصول کافی، تہران، دفتر نشر فرہنگ اہل البیت، بی تا، ج ۱، کتاب الحجہ، باب "ان الارض لاتخلو من حجۃ"، ح ۲، ص ۲۱۵۔

2 قرآن مجید، پارہ ۲۷، سورہ حدید، آیہ ۲۵۔

صحیفہ سجادیہ اور عظمت والدین

سید منظور عالم جعفری سرسوی

مقدمہ:

والدین کا احترام اسلام میں سب سے اہم اخلاقی اصولوں میں سے ایک ہے، جس کے بارے بہت سی آیات اور روایات میں تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں خداوند عالم نے بہت سے مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت کو بیان کیا ہے، جس میں سب سے زیادہ قابل غور یہ بات ہے کہ توحید اور اپنی عبادت و شرک پرستی سے اجتناب کے بعد اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت اور ان کے احترام کا حکم دیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وجود انسانی اور زندگی کی تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا خالق کائنات ہے، اور خدا کے عطا کردہ اس وجود اور دنیا کی تمام نعمتوں کا بعد کے مراحل میں دار و مدار والدین پر ہے۔ شاید اسی وجہ سے والدین کی اطاعت خدا کی اطاعت کے مترادف ہے اور اسے ترک کرنا خدا سے شرک کے مترادف ہے۔

انسان کے اوپر والدین کا احترام کرنا اور ان کے ہر حکم کو ماننا ہر حال میں واجب ہے، بس صرف دو مقام پر ان کے حکم کی پیروی کرنا واجب نہیں ہے ایک جب کہ وہ خدا کے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیں، اور دوسرے جب واجبات اور حرام کاموں کو چھوڑنے کا وہ فرمان صادر کریں۔ صحیفہ سجادیہ کی چوبیویں دعا امام سجاد علیہ السلام کی والدین سے متعلق ماثور دعاؤں میں سے ایک ہے۔ اسمیں آپؑ خدا سے والدین کے حقوق کی رہنمائی کرنے کی درخواست کرتے ہیں، تاکہ وہ خدا کے ساتھ شرک کرنے اور اس کے خلاف گناہ کرنے کے علاوہ تمام معاملات میں ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے حقوق کو ادا کر سکیں۔

اس مقالہ میں ہم صحیفہ سجادیہ امام سجاد علیہ السلام کی ۲۴ ویں دعا کی روشنی میں مقام و عظمت والدین کو بہت ہی اختصار سے بیان کریں گے۔

۱- خدا کے نزدیک والدین کے عزت و قار کی دعا

پروردگار عالم نے کائنات میں اپنی مخلوقات کے درمیان انسان کو افضل اور اشرف مخلوق قرار دیا ہے۔ والدین کو انسان کے دنیا میں آنے کا ذریعہ بنایا، لہذا ہمارا وجود والدین مرہون منت ہے، خداوند عالم نے اپنے بعد محبت کا جذبہ فطری طور پر بدرجہ اتم والدین کو عطا کیا ہے۔ اولاد کے لئے والدین دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں، والدین کی جس قدر عزت و توقیر

کی جائے گی اسی قدر اولاد سعادت سے سرفراز ہوگی، کیونکہ والدین ہی وہ ذات ہیں جو انسان کے لیے صرف سہارا ہی نہیں بنتے بلکہ اولاد کی پرورش و تربیت کر کے اس منزل تک پہونچا دیتے ہیں جہاں اس کو خدا، رسول ﷺ اور اہلبیت علیہم السلام کے علاوہ کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

قرآن کریم میں شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کم سے کم ۵ آیات میں اپنی عبادت کے وجوب کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حُسن سلوک کا حکم دیا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کی ہے، جنانچہ ارشاد ہورہا ہے: ﴿لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[1] خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی شے کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا[2]۔ ﴿أَلاَّ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوالِدَيْنِ إِحْساناً﴾ خبردار کسی کو اس کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔[3] ﴿وَقَضى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوالِدَيْنِ إِحْساناً﴾ اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا[4]۔ ﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسانَ بِوالِدَيْهِ﴾ بیٹا خبردار کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے[5]۔

اس دعا میں حضرت سید الساجدین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک میں اعلیٰ ترین کامیابی کے لیے دعا کی اور فرمایا: ﴿وَاخْصُصِ اللّٰهُمَّ وَالِدَيَّ بِالْكَرَامَةِ لَدَيْكَ، وَالصَّلَاةِ مِنْكَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ﴾ اے معبود! میرے ماں باپ کو بھی اپنے نزدیک عزت و کرامت اور اپنی رحمت سے مخصوص فرما۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔[6]

والدین کی عزت واحترام دینی و دنیاوی بہتری کا سبب ہوتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے سروں پر والدین کا سایہ ہے اور سعادت مند ہے وہ اولاد جو ہر حال میں اپنے والدین کے ساتھ حُسن سلوک رکھتی ہے اور ان کا احترام کرتی ہے۔

---

[1] ۔سورہ بقرہ آیت ۸۳

[2] ۔سورہ نساء آیت ۳۶

[3] ۔سورہ انعام آیت ۱۵۱

[4] ۔سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳

[5] ۔سورہ لقمان آیت ۱۳

[6] ۔صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

۲-والدین کی خدمت کی توفیق کی درخواست

بہ شکل عام عام لوگوں و بالاخص والدین کی خدمت کا حکم کتاب و سنت میں بہت زیادہ تاکید کے ساتھ آیا ہے۔ وہی انسان لوگوں کی خدمت کر سکتا ہے جس کو والدین کی خدمت عادت ہو گی۔ بعض روایات میں ان کی خدمت کو جہاد پر مقدم اور افضل رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ مرسل اعظم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: " **بر الوالدین أفضل من الصلاة والصوم والحج والعمرة والجهاد في سبيل الله** " والدین کے ساتھ نیکی نماز، روزہ، حج، عمرہ، اور اللہ کی راہ میں جہاد سے بھی افضل ہے[1]۔ اسلامی روایات میں اولاد کیلئے والدین کی خدمت و فرمانبرداری کو حصولِ جنت کا زینہ بلکہ خود والدین کو "جنت کا دروازہ" قرار دیا گیا ہے، اور اس شخص کو محروم و بد نصیب کہا گیا جو والدین جیسی مقدس ہستیوں کو پا کر انکی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ بن سکے بلکہ اس معاملے میں غفلت و کوتاہی اور والدین کی نافرمانی کے سبب جہنم اس کا مقدر بن جائے۔

والدین کی خدمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَأَلْهِمْنِي عِلْمَ مَا يَجِبُ لَهُمَا عَلَيَّ إِلْهَاماً، وَاجْمَعْ لِي عِلْمَ ذَلِكَ كُلِّهِ تَمَاماً، ثُمَّ اسْتَعْمِلْنِي بِمَا تُلْهِمُنِي مِنْهُ، وَوَفِّقْنِي لِلنُّفُوذِ فِيمَا تُبَصِّرُنِي مِنْ عِلْمِهِ حَتَّى لَا يَفُوتَنِي اسْتِعْمَالُ شَيْءٍ عَلَّمْتَنِيهِ، وَلَا تَثْقُلَ أَرْكَانِي عَنِ الْحُفُوفِ فِيمَا أَلْهَمْتَنِيهِ**؛ اے اللہ! محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور ان کے جو حقوق مجھ پر واجب ہیں ان کا علم بذریعہ الہام عطا کر اور ان تمام واجبات کا علم بے کم و کاست میرے لیے مہیا فرمادے۔ پھر جو مجھے بذریعہ الہام بتائے اس پر کاربند رکھ اور اس سلسلہ میں جو بصیرت علمی عطا کرے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے تاکہ ان باتوں میں سے جو تو نے مجھے تعلیم کی ہیں کوئی بات عمل میں آئے بغیر نہ رہ جائے اور اس خدمت گزاری سے جو تو نے مجھے بتلائی ہے میرے ہاتھ پیر تھکن محسوس نہ کریں[2]۔

۳-گھر اور خاندان کا استحکام والدین کے ساتھ مہربانی میں ہے۔

دین اسلام میں گھر اور خاندان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس بات کے مد نظر رکھتے ہوئے احادیث میں خاندانی تعلقات اور والدین کے احترام پر بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ یقیناً اس ساری توجہ کی وجہ عظیم انسانی معاشرے کی تشکیل کی طرف پلٹتی ہے۔ چونکہ یہ بڑا معاشرہ (خاندان) کہلانے والی چھوٹی اکائیوں سے بنا ہے۔

---

[1] - محمد مہدی النراقی، جامع السعادات، ج۲، صفحہ ۲۰۳

[2] - صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

خاندانی رشتوں کی کمزوری اور افراد خاندان کے درمیان باہمی تعلقات کی کمی کی وجہ سے آج انسانی معاشرہ زوال اور جذباتی انحطاط کی طرف گامزن ہے۔ جب تک انسانی معاشرہ ٹیکنالوجی کے رجحان سے متاثر نہیں ہوا تھا، خاندانی رشتے مضبوط تھے۔ لیکن آج ٹیکنالوجی اور مغربی افکار کے غلبے کی وجہ سے یہ معاشرہ تنزلی کا شکار ہوا، اور خاندان کی مقدس عمارت تباہ وبرباد ہوگئی۔ ستم ظریفی زمانہ یہ ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں صلہ رحمی اور باہمی اتحاد و یکجہتی صرف سوشل میڈیا تک ہی محدود رہ گئی ہے، آج موبایل کی وجہ سے انسان خانوادہ کے درمیان رہ کر بھی غیر موجود ہے۔

گھر میں والدین کی حیثیت نگران و سرپرست کی ہے۔ اولاد اگر سنجیدگی اور تدبر سے کام لے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومین علیہم السلام کے بعد صحیح معنوں میں قابل احترام اور لائق اطاعت اگر کوئی ہستی ہے تو وہ والدین ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام صحیفہ سجادیہ میں فرماتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ كَمَا شَرَّفْتَنَا بِهِ، وَ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، كَمَا أَوْجَبْتَ لَنَا الْحَقَّ عَلَى الْخَلْقِ بِسَبَبِهِ؛ اے اللہ محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما کیونکہ تونے ان کی طرف انتساب سے ہمیں شرف بخشا ہے۔ محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما کیونکہ تونے ان کی وجہ سے ہمارا حق مخلوقات پر قائم کیا ہے[1]۔

۴-والدین کے حق میں دعا کرنا۔

مالک کائنات نے جہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے وہیں پر ان کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد رب العزت ہو رہا ہے: ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ اے میرے پروردگار! تو میرے والدین پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں (رحمت و شفقت کے ساتھ) میری پرورش کی ہے[2]۔ خداوند عالم نے نہ صرف والدین کے لیے دعا کرنے کا حکم دی بلکہ ہمیں دعا کرنے کا اپنی کتاب میں سلیقہ بھی سکھایا ہے، جنانچہ ارشاد ہو رہا ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ پروردگا مجھے اور میرے والدین اور تمام مومنین روز حساب بخش دینا[3]۔

---

[1] -صحیفہ سجادیہ ۲۴ ویں دعا

[2] -سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴

[3] -سورہ ابراہیم آیت ۴۱

روایات میں ہے جس طرح والدین اگر اولاد کے لیے دعا کریں تو خدا ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، اسی طرح اگر اولاد اپنے والدین کے لیے دعا کرے تو ان کی دعائیں مستجاب ہوں گی، شاید اسی لیے روایات میں نیک اور صالح مرنے کے بعد صدقات جاریہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ لہذا جس طرح وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ سے ان کی زندگی میں ثواب حاصل کرتے ہیں، ان کے مرنے کے بعد بھی ثواب کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ امام سجاد علیہ السلام ۲۴، اپنی دعا کے ایک فقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَ اغْفِرْ لِي بِدُعَائِي لَهُمَا، وَ اغْفِرْ لَهُمَا بِبِرِّهِمَا بِي مَغْفِرَةً حَتْماً، وَ ارْضَ عَنْهُمَا بِشَفَاعَتِي لَهُمَا رِضًى عَزْماً، وَ بَلِّغْهُمَا بِالْكَرَامَةِ مَوَاطِنَ السَّلَامَةِ؛ اے اللہ! محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان کے حق میں دعا کرنے کی وجہ سے اور انہیں میرے ساتھ نیکی کرنے کی وجہ سے ان سے لازمی طور پر راضی و خوشنود ہو اور انہیں عزت و آبرو کے ساتھ سلامتی کی منزلوں تک پہنچا دے[1]۔

۵-والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔

انسان کے سب سے بڑے محسن اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس کے والدین ہیں، جب وہ اس دنیا میں آیا تو اس کی راحت کا سامان پیدا کرنے میں اس کے والدین نے کوئی کسر نہ چھوڑی، ایک عقلمند انسان اپنے محسن کے حق کو پہچانتا ہے اور اس کے مکافات کی کوشش کرتا ہے، انسان ساری زندگی بھی والدین کی اطاعت و فرماں برداری میں گزار دے اور والدین کو کوئی تکلیف نہ ہونے دے تو تب بھی یہ ان کا حق ادا نہیں کر سکتا، جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: هَيْهَاتَ مَا يَسْتَوْفِيَانِ مِنِّي حَقَّهُمَا، وَلَا أُدْرِكُ مَا يَجِبُ عَلَيَّ لَهُمَا، وَلَا أَنَا بِقَاضٍ وَظِيفَةَ خِدْمَتِهِمَا، فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَ أَعِنِّي يَا خَيْرَ مَنِ اسْتُعِينَ بِهِ، وَ وَفِّقْنِي يَا أَهْدَى مَنْ رُغِبَ إِلَيْهِ، وَلَا تَجْعَلْنِي فِي أَهْلِ الْعُقُوقِ لِلْآبَاءِ وَ الْأُمَّهَاتِ يَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ؛ بھلا کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کا صلہ مجھ سے پا سکیں اور نہ میں خود ہی ان کے حقوق سے سبکدوش ہو سکتا ہوں اور نہ ان کی خدمت کا فریضہ انجام دے سکتا ہوں۔ رحمت نازل فرما محمد اور ان کی آل پر اور میری مدد فرما اے بہتر ان سے جن سے مدد مانگی جاتی ہے اور مجھے توفیق دے اے زیادہ رہنمائی کرنے والے ان سب سے جن کی طرف (ہدایت کے لیے) توجہ کی جاتی ہے اور مجھے اس دن جب کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہو گی۔ ان لوگوں میں سے قرار نہ دینا جو ماں باپ کے عاق و نافرمانبردار ہوں[2]۔

---

1 صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

2 - صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

الف: اپنی خواہشات اور خوشنودی پر والدین کے خواہشات اور خشنودی کو مقدم کرنا۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَا تَعۡبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ إِحۡسَانًا﴾ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا[1]۔ جب چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کلمہ «احسان» کے بارے میں سوال کیا گیا کہ والدین پر احسان کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو امام نے جواب دیا والدین پر احسان کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور قبل اس کے تم سے وہ کوئی چیز مانگیں تم خود ہی ان کے لئے ہر چیز وہ مہیا کر دو، اگر چہ وہ خود بھی اسے مہیا کر سکتے ہوں[2]۔

اسی بات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: **اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي أَهَابُهُمَا هَيْبَةَ السُّلْطَانِ الْعَسُوفِ، وَ أَبَرُّهُمَا بِرَّ الْأُمِّ الرَّءُوفِ، وَ اجْعَلْ طَاعَتِي لِوَالِدَيَّ وَ بِرِّي بِهِمَا أَقَرَّ لِعَيْنِي مِنْ رَقْدَةِ الْوَسْنَانِ، وَ أَثْلَجَ لِصَدْرِي مِنْ شَرْبَةِ الظَّمْآنِ حَتَّى أُوثِرَ عَلَى هَوَايَ هَوَاهُمَا، وَ أُقَدِّمَ عَلَى رِضَايَ رِضَاهُمَا**؛ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میں ان دونوں سے اس طرح ڈروں جس طرح کسی جابر بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے اور اس طرح ان کے حال پر شفیق و مہربان رہوں (جس طرح شفیق ماں) اپنی اولاد پر شفقت کرتی ہے اور ان کی فرمانبرداری اور ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کو میری آنکھوں کے لیے اس سے زیادہ کیف افزا قرار دے جتنا چشم خواب آلود میں نیند کا خمار اور میرے قلب و روح کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت انگیز قرار دے جتنا پیاسے کے لیے جرعہ آب تا کہ میں اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دوں اور اپنی خوشی پر ان کی خوشی کو مقدم رکھوں[3]۔

ب: والدین کے حق میں اپنی نیکیوں کو چھوٹا اور اپنی نسبت والدین کی نیکی کو بڑا تصور کرنا

والدین کے اچھے اعمال کو زیادہ اہمیت دینے کا مقصد خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں اور اولاد کی نیکیوں کو کم سمجھ کر خواہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، والدین کی نیکیوں کی بڑائی کرنا ہے، تا کہ اولاد میں محبت اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ اور ان دونوں کی شکر گزاری میں اضافہ ہو، اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرے، جب وہ اسے بہت کم سمجھے تو ان دونوں کے لیے زیادہ نیکی کرنے کی کوشش کرے اور تھوڑی سی محبت، اطاعت اور نیکی پر مطمئن نہ ہو۔

---

1 ۔سورہ بقرہ آیت ۸۳

2 ۔ کلینی، الکافی، ج ۲، ص 157

3 ۔ صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

امام سجاد علیہ السلام اپنی دعا کے ایک فقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں: وَأَسْتَكْثِرَ بِرَّهُمَا بِي وَإِنْ قَلَّ، وَأَسْتَقِلَّ بِرِّي بِهِمَا وَإِنْ كَثُرَ؛ اور ان کے تھوڑے احسان کو بھی جو مجھ پر کریں، زیادہ سمجھوں، اور میں جو نیکی ان کے ساتھ کروں وہ زیادہ بھی ہو تو اسے کم تصور کروں[1]۔

ج: والدین کے ساتھ نرم اور اچھے الفاظ میں گفتگو کرنا

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ایک مظہر ان سے بات کرنے میں شائستگی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ خداوند قدوس قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ قُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً﴾ اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا[2]، امام سجاد علیہ السلام صحیفہ سجادیہ میں فرماتے ہیں: اللَّهُمَّ خَفِّضْ لَهُمَا صَوْتِي، وَأَطِبْ لَهُمَا كَلَامِي، وَأَلِنْ لَهُمَا عَرِيكَتِي، وَاعْطِفْ عَلَيْهِمَا قَلْبِي، وَصَيِّرْنِي بِهِمَا رَفِيقاً، وَعَلَيْهِمَا شَفِيقاً؛ اے اللہ! میری آواز کو ان کے سامنے آہستہ، میرے کلام کو ان کے لیے خوشگوار، میری طبیعت کو نرم اور میرے دل کو مہربان بنادے اور مجھے ان کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنے والا قرار دے۔[3]

د: والدین کی غلطیوں کو معاف کرنا

سب سے بڑی غلطی جو والدین کرسکتے ہیں وہ اپنے بچے کو کفر کی دعوت دینا ہے۔ اگر بچہ اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے، تو وہ ایک مشکل دوراہے پر ہے۔ ایک طرف اپنے عقائد کی پاسداری اور دوسری طرف والدین سے پیار و محبت اور ان کی اطاعت۔ یہ لڑائی اور اندرونی کشمکش اسے تکلیف اور اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایک طرف وہ بندگی اور عبادت کا حق ادا کرنا چاہتا ہے جو یقیناً اس کے والدین کو اذیت کا باعث بنے گا اور دوسری طرف اس کی اپنے والدین سے محبت اسے خدا کی عبادت سے روک سکتی ہے۔ جب بچہ اپنے آپ کو ان دوراستوں پر پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستے کھول دیتا ہے اور ہدایات دیتا ہے۔ پرودگار عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ اور اگر تمہارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا اور اس کے

---

[1] - صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

[2] - سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳

[3] - صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

راستے کو اختیار کرنا جو میری طرف متوجہ ہو پھر اس کے بعد تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے اور اس وقت میں بتاؤں گا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے[1]۔

اس سلسلے میں مام سجادؑ فرماتے ہیں: اللّٰهُمَّ وَ مَا تَعَدَّيَا عَلَى فِيهِ مِنْ قَوْلٍ، أَوْ أَسْرَفَا عَلَى فِيهِ مِنْ فِعْلٍ، أَوْ ضَيعَاهُ لِي مِنْ حَقٍّ، أَوْ قَصَّرَا بِي عَنْهُ مِنْ وَاجِبٍ فَقَدْ وَهَبْتُهُ لَهُمَا، وَ جُدْتُ بِهِ عَلَيهِمَا وَ رَغِبْتُ إِلَيكَ فِي وَضْعِ تَبِعَتِهِ عَنْهُمَا، فَإِنِّي لَا أَتَّهِمُهُمَا عَلَى نَفْسِي، وَ لَا أَسْتَبْطِئُهُمَا فِي بِرِّي، وَ لَا أَكْرَهُ مَا تَوَلَّيَاهُ مِنْ أَمْرِي يَا رَبِّ؛

بار الہا! اگر انہوں نے میرے ساتھ گفتگو میں سختی یا کسی کام میں زیادتی یا میرے کسی حق میں فروگذاشت یا اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کی ہو تو میں ان کو بخشتا ہوں اور اسے نیکی اور احسان کا وسیلہ قرار دیتا ہوں اور پالنے والے! تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ اس کا مواخذہ ان سے نہ کرنا۔ اس میں اپنی نسبت ان سے کوئی بدگمانی نہیں رکھتا اور نہ تربیت کے سلسلہ میں انہیں سہل انگار سمجھتا ہوں اور نہ ان کی دیکھ بھال کو ناپسند کرتا ہوں اس لیے کہ ان کے حقوق مجھ پر لازم و واجب، ان کے احسانات دیرینہ اور ان کے انعامات عظیم ہیں۔ وہ اس سے بالاتر ہیں کہ میں ان کو برابر کا بدلہ یا ویسا ہی عوض دے سکوں[2]۔

صحیفہ سجادیہ کی چوبیویں دعا میں امامؑ کے اس جملہ سے اپنی بات ختم کرتا ہوں: اے اللہ! اگر تو نے انہیں مجھ سے پہلے بخش دیا تو انہیں میرا شفیع بنا، اور اگر مجھے پہلے بخش دیا تو مجھے ان کا شفیع قرار دے تاکہ ہم سب تیرے لطف و کرم کی بدولت تیرے بزرگی کے گھر اور بخشش و رحمت کی منزل میں ایک ساتھ جمع ہو سکیں۔ یقیناً تو بڑے فضل والا، قدیم احسان والا اور سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

---

1 ۔ سورہ لقمان آیت ۱۵

2 ۔ صحیفہ سجادیہ ۲۴ویں دعا

ماں باپ پر بچوں کے حقوق

ڈاکٹر شازیہ مھدی

والدین خاندان کی حقیقی بنیاد اور اصل ہیں جو گھر کے ہر فرد کی شخصیت اور زندگی پر مختلف جہتوں میں براہ راست اثر ڈالتے ہیں۔ اسی لیے والدین اپنے بچوں کی جسمانی، ذہنی اور روحانی نشوونما کے ذمہ دار ہیں۔ بچوں کی خوشبختی یا بدبختی میں سب سے اہم عنصر والدین کا ہے۔ والدین اس مسئلہ میں جتنی زیادہ کوشش کریں گے، مستقبل میں اس کے نتائج اور فوائد اتنے ہی زیادہ دیکھیں گے۔

اولاد چاہے بیٹا ہو یا بیٹی دونوں کی تربیت کی ذمہ داری والدین کو دی گئی ہے "يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ"[1] خدا جسے چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹا عطا کرتا ہے۔ اسی لیے ان کا فرض ہے کہ وہ بچوں کے چاہے بیٹا ہو یا بیٹی، اچھی پرورش کے اصولوں اور بنیادی حقوق کو جان لے اور ان حقوق کے تحت اپنے بچوں کی پرورش کے عمل میں صحیح طریقہ کو بروئے کار لائیں۔ اسلام ایسا دائمی دین ہے جس میں معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے اور معاشرے کو برائیوں سے محفوظ رکھنے اور دیندار گھرانے کی تشکیل کے لیے تمام حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح اسلام بچوں کی مستقبل کی شخصیت کو والدین کی تعلیم، پرورش پر منحصر سمجھتا ہے اور اس میں اس پرورش کے تمام خصوصی احکامات اور حقوق پائے جاتے ہیں، قرآن اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی نظر میں حقوق ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ تاکہ بچہ صحیح اور بہترین تربیت پا سکے اور معاشرہ بے راہ روی اور منکرات سے محفوظ رہ سکے۔

امام سجاد علیہ السلام نے رسالہ حقوق میں بچوں کی اچھی پرورش والدین کے فرائض میں قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

و امّا حقّ ولدك فتعلم انّه منك و مضاف اليك فی عاجل الدنيا بخيره و شرّه، و انّك مسئول عمّا ولّيته من حسن الادب و الدلالة علی ربّه و المعونة علی طاعته فيك و فی نفسه. فمثاب علی الاحسان اليه و معاقب علی الاسائة عليه. فاعمل فی امره عمل المتزيّن بحسن اثره عليه فی عاجل الدنيا المعذر الی ربّه فيما بينك و بينه، بحسن القيام عليه و الاخذ له منه[2]"

[1] : سورہ شوریٰ، ۴۹

[2] : شرح رسالۃ الحقوق، ص ۳۵۲

تمہارے اوپر بچے کا حق یہ ہے کہ تم جان لو کہ وہ تمہارا ہی ہے اور اس دنیا میں تم ہی سے وابستہ ہے اور اس کا خیر و شر بھی تمہاری طرف منسوب ہے اور یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ اسے ادب سکھاؤ، اس کے پروردگار کی طرف اس کی راہنمائی کرو اور اسکی اطاعت میں اسکی مدد کرو اگر تم اس ذمہ داری کو پورا کرو گے تو ثواب پاؤ گے اور اگر اسکی انجام دھی میں کوتاہی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ پس اس کے لئے اس طرح نیک عمل کرو کہ اس کا حسن و جمال دنیا میں آشکار ہو جائے اور اس کی جو بہترین سرپرستی تم نے کی ہے اور جو نتیجہ تم نے حاصل کیا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں تمہارے اور اس کے درمیان ایک عذر ہو جائے"۔

اس حدیث مبارکہ میں حضرت امام سجّاد علیہ السّلام نے اولاد کی پرورش میں والدین کی ذمہ داری کو واضح کیا ہے۔ امام علیہ السّلام نے اولاد کی اخلاقی، سماجی، مذہبی اور روحانی پرورش کو والدین کے دینی فرائض میں سے ایک قرار دیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ والدین کی طرف سے مناسب پرورش کرنا، ایک مذہبی فریضہ ادا کرنا ہے جسے صحیح طریقے سے نبھانے پر خدا کے نزدیک اجر و ثواب ہے، ناپندیدہ پرورش یعنی کسی حق کو ترک کرنا یعنی گناہ کا مرتکب ہونا، باپ کو عقاب اور عذاب الٰہی کے لائق بنا دیتا ہے۔

اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے اسلام میں کچھ حقوق بیان کئے گئے ہیں تا کہ انسان بہترین انداز سے اپنے اولاد کی تربیت کر سکے۔ اولاد کے حقوق میں سب سے پہلے ایک مرد کو مومن، نیک سیرت اور نیک اور شائستہ گھرانے سے شریک حیات کا انتخاب کرنا ہے۔ ایک قابل اور مومن شریک حیات کا انتخاب بچے کی پرورش کے لیے سب سے اہم پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ کیونکہ وراثت کے تاثیر کے مطابق جس طرح والدین اور آباء و اجداد کی ظاہری اور درونی خصلتیں اور صفات بچے میں منتقل ہوتی ہیں اسی طرح ان کی برائیاں اور اخلاقی خوبیاں بھی اولاد میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ کلام پاک میں ہے:

فانکحوا ما طاب لکم من النساء[1] پاک عورتوں سے نکاح کرو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے جوانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہے: **إِيَّاكُم وخضراءَ الدِّمَنِ فقيلَ : وما خَضراءُ الدِّمنِ ؟ قالَ : المرأةُ الحسناءُ في المنبتِ السُّوءِ** "[2] کوڑی پر اگنے والے (خوبصورت) پودوں سے بچیں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کوڑی پر اگنے والے خوبصورت پودے سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک خوبصورت عورت جس کی پرورش برے گھرانے اور ماحول میں ہوئی ہو۔

---

[1] : سورہ نساء، آیت ۳

[2] : وسائل الشیعہ، جلد ۱۴، صفحہ ۱۹

اس کے بعد جب بچہ دنیامیں آجائے تو سب سے پہلے اسکا بہترین نام انتخاب کرے کیونکہ نام اس کی شخصیت اور روح پر اثر ڈالتاہے۔ مولا علی علیہ السلام نھج البلاغہ میں اولاد کے والدین پر حقوق کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوالِدِ اَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهُ، وَيُحَسِّنَ أَدَبَهُ، وَيُعَلِّمَهُ الْقُرآنَ [1] بچے کا باپ پر حق یہ ہے کہ وہ اس کے لئے اچھانام رکھے، اس کی اچھی پرورش اور تادیب کرے اور اسے قرآن کی تعلیم دے۔

بچے کی پرورش میں سب سے مؤثر عوامل میں سے ایک دودھ پلاناہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ بچے کو پورے دو سال تک ماں کادودھ استعمال کرنے کا حق ہے۔ وَالْوالِداتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كامِلَيْنِ [2] کوئی چیز اور کوئی خوراک ماں کا دودھ نہیں بن سکتا۔ احادیث میں ہے کہ بچے کے لیے بہترین غذا ماں کا دودھ ہے۔ ماں کا دودھ بچے کی شخصیت کی نشوونمامیں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ امام علی علیہ السلام نے فرمایا: أَلرَّضاعُ يُغَيِّرُ الطِّباعَ"[3] دودھ انسان کی فطرت کو بدل دیتاہے۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں عَلَيْكُمْ بِالْوُضّاءِ مِنَ الظُّئُورَةِ فَإِنَّ اللَّبَنَ يُعْدِى [4] آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے ایک پاک خاتون (دایی) کاانتخاب کریں۔ کیونکہ دودھ بچے کو متاثر کرتاہے۔

اولاد کو قرآن کی تعلیم دینا بھی والدین کا حق ہے ۔ وَيُعَلِّمَهُ الْقُرآنَ کیونکہ قرآن الٰہی کلام ہے جس میں انسانوں کی ہدایت اور سعادت کے تمام قوانین موجود ہیں اور اس کی تلاوت اور تدبّر خدا سے رابطے کی کلید ہے اور اس آسمانی کتاب کی حیات بخش آیات پر غور کرنے سے انسان کا دل بیدار ہوتاہے، وہ گناہوں سے محفوظ رہتاہے اور اسکی تخلیقی صلاحیتیں اور صفتیں ابھرتی ہیں۔ قرآن کے ساتھ لگاؤ رکھنا اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا رہنا، بچے کے اچھے مستقبل کی ضمانت ہے اور اس کی تعلیم دیناوالدین کی اہم ذمہ داری ہے۔ اگر والدین چاہتے ہیں کہ ان کے بچے دین دار اور صالح افراد ہوں تو انھیں قرآن کے انوار سے مستفید کرانا ہے۔ اولاد جتنا زیادہ قرآن سے آشنا ہو گی، اتنا ہی وہ اخلاقی انحراف اور لغزشوں سے دور ہو جائیں گے۔

---

[1] : نہج البلاغہ، کلمات قصار، شمارہ ۳۹۹

[2] : بقرہ، آیت ۲۳۳

[3] : بحار الأنوار، ج ۱۰۳، ص ۳۲۳

[4] : وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۱۸۹

اھل بیت اطھار علیھم السلام کی احادیث کے مطابق بچے کا حق یہ بھی ہے کہ اس کے والدین اس کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعہ ادب اور صحیح طور طریقہ سکھائیں وَيُحَسِّنَ أَدَبَهُ ۔۔۔ کچھ والدین سمجھتے ہیں کہ اگر ان کا بچہ کوئی برا کام کرے تو اسے مار ناشائستہ ہے۔ لیکن بچے کو نظم و ضبط سکھانے کا مطلب، اپنے والدین کے اعمال اور برتاؤ میں صحیح چیز کو دیکھنا ہے۔ دراصل بچوں کے سامنے بد سلوکی اور بد تمیزی نہ کرنا، ایک دوسرے کی توہین نہ کرنا، فحش اور برے الفاظ کا استعمال نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، غیبت و عیبجوئی نہ کرنا، مار پیٹ نہ کرنا اور مختصر یہ کہ بچوں کو عملی سبق سکھانا ہی ادب سکھانے کا بہترین طریقہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ خود ان برائیوں میں آلودہ ہو کر بچوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیں تو اولاد پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ لہذا نظم و ضبط کا بہترین طریقہ عملی شائستگی اور نیک رفتار، گفتار اور کردار اپنانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں: حَقُّ الوَلَدِ عَلَى الوالِدِ أن يُحَسِّنَ اسمَهُ، و يُحَسِّنَ أدَبَهُ[1] باپ پر بچے کا حق یہ ہے کہ وہ اس کے لیے اچھا نام رکھے اور اسے اچھا ادب سکھایے۔

ادب کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش میں والدین کا ایک اہم حق ان کی صحیح تعلیم ہے۔ بچوں کی صحیح نشوونما کرنے کے لیے، انہیں دینی تعلیم کے ساتھ دیگر مختلف علوم سے اولاد کو آشنا کرانا، والدین کا ایک اور اہم وظیفہ ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ ایمان کے تحت اپنے بچوں کو دینی اور دنیاوی مختلف علوم سے مزیّن کرے اور اس مسئلے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچوں کے حقوق کے بارے میں فرمایا: حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى والِدِهِ اَنْ يُعَلِّمَهُ الْكِتابَةَ، وَالسِّباحَةَ، وَالرِّماحَةَ، وَاَنْ لايَرْزُقَهُ إلّا طَيِّباً[2] یعنی بچے کا باپ پر حق یہ ہے کہ وہ اسے پڑھنا لکھنا، تیرنا اور تیر چلانا سکھائے اور اسے حلال کھانے کے سوا کچھ نہ کھلائے۔

قرآن میں والدین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم اصول دین اور فروع دین سے روشناس کرایے تاکہ اولاد ابدی سعادت تک پہنچ سکے ارشاد ہے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا[3] اپنے گھر والوں (بیوی اور بچوں کو) نماز کا حکم دو اور اس پر صبر کرو۔ یا جناب لقمان اپنے اولاد سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ[4] اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے اور حرام کاموں سے منع کر اور اگر مصیبت یا مشکل کا سامنا ہو تو اس پر صبر کر۔

[1] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۴

[2] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۵

[3] : طٰہٰ، آیت ۱۳۲

[4] : لقمان، آیت ۱۷

تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ والدین کو اولاد کی معاشی زندگی تأمین کرنے کے لیے کسب و کار سکھانے کی بھی تأکید کی گئی ہے تاکہ اولاد اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے اور روزمرہ کی ضروریات زندگی کو مفید طریقے سے پورا کر سکے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں فرماتے ہیں: مَّا سُئلَ عن حَقِّ الوَلَدِ.: تُحَسِّنُ اسمَهُ و أدَبَهُ، و تَضَعُهُ مَوضِعا حَسَنا[1] بچے کے حق کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا: اس کا اچھا نام رکھو اور اس کی اچھی پرورش کرو اور اسے اچھی نوکری یا پیشہ سکھاؤ۔

حَقُّ الوَلَدِ علی والِدِهِ أنْ يُحَسِّنَ اسمَهُ، و يُحَسِّنَ مَوضِعَهُ، و يُحَسِّنَ أدَبَهُ[2] باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے اچھا پیشہ سکھائے اور اس کی اچھی پرورش کرے۔

والدین کا ایک اور فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام محبت و مودّت پیدا کریں جس کی اسلام میں خاص توجہ دی گئی ہے۔ بچپن ہی سے بچے کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت سے واقف ہونا چاہئے۔ تاکہ اولاد اھل بیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ساتھ ساتھ، ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش بھی کریں، انہیں اپنا نمونہ عمل بنائیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں فرماتے ہیں: أدِّبوا أولادَكُم علی ثَلاثِ خِصالٍ : حُبِّ نَبيِّكُم ،وحُبِّ أهلِ بَيتِهِ،وقِراءةِ القرآنِ[3]

اسلام کی نظر میں اولاد کو حلال رزق کھلانا بھی اولاد کے حقوق میں سے ہے۔ اولاد چاہے بیٹا ہو یا بیٹی باپ کی کفالت میں شمار ہوتے ہیں، اور جب تک کہ وہ اپنا نفقہ خود مہیانہ کر سکے اور باپ اس کی استطاعت رکھتا ہو، اس پر لازم ہے کہ اس کی کفالت کرے۔ اسی لیے باپ کو اپنے بچے کو حلال کھانا دینے پر خاص توجہ دینی چاہیے۔ کیونکہ حرام خوراک انسانی روح پر مضر اثرات مرتب کرتی ہے۔ پیامبر گرامی فرماتے ہیں: حَقُّ الوَلَدِ علی والِدِهِ أن يُعَلِّمَهُ الكِتابَةَ ، والسِّباحَةَ ، والرِّمايَةَ، وأن لا يَرزُقَهُ إلّا طَيِّباً[4] بچے (بیٹے) کا حق اس کے باپ پر یہ ہے کہ وہ اسے لکھنا، تیرنا اور تیر (کوئی ہتھیار) چلانا سکھائے اور اس کا رزق حلال اور پاکیزہ طریقے سے فراہم کرے۔

---

[1] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۴

[2] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۴

[3] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۵

[4] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۵

باپ پر بیٹے کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اولاد کے بڑے ہونے کے بعد اس شادی کرانے کی کوشش کرے چنانچہ ارشاد رب الکریم ہے: وَ أَنْكِحُوا الْأَيامى‏ مِنْكُمْ [1]۔ جب ان کا بچہ (لڑکا یا لڑکی) شادی کی عمر کو پہنچ جائے تو والدین کا فرض ہے کہ وہ شادی کے انتظامات تیار کریں۔ معاشی مسائل اور شادی کی راہ میں حائل دیگر رکاوٹوں کو حل کریں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مَن بَلَغَ وَلدُهُ النِّكاحَ وعِندَهُ ما يُنكِحُهُ فلَم يُنكِحهُ ثُمّ أحدَثَ حَدَثاً فالإثمُ علَيهِ [2] یعنی جس شخص کی اولاد شادی کے لیے تیار یعنی بالغ ہو اور باپ کو اختیار ہو کہ وہ بچے کا نکاح کرا سکے لیکن یہ عمل انجام نہ دے، اگر اس کے بچے سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کا ذمہ دار باپ بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ایک اور روایت میں ہم پڑھتے ہیں: حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى والِدِهِ اَنْ يُحَسِّنَ اِسْمَهُ، وَ يُزَوِّجَهُ إِذا اَدْرَكَ، وَيُعَلِّمَهُ الْكِتابَةَ [3] بچے کا باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے لیے اچھا نام منتخب کرے، اور جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائے، اس کی شادی کے لیے ابتدائی وسائل فراہم کرے، اور اسے کتاب کا علم یعنی لکھنا پڑھنا سکھائے۔

رسول خدا ﷺ می فرماید: من حَقِّ الوَلَدِ على والِدِهِ ثَلاثَةٌ: يُحَسِّنُ اسمَهُ، ويُعَلِّمُهُ الكِتابَةَ، ويُزَوِّجُهُ إذا بَلَغَ [4] باپ پر اولاد کے حقوق میں سے تین چیزیں ہیں: اس کے لیے اچھے نام کا انتخاب کرنا، اسے خواندگی سکھانا، اور جب وہ بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کی شادی کرانا۔

جس طرح والدین کا اپنی اولاد پر حق ہے اسی طرح اولاد کا بھی اپنے والدین پر حق ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اسی والدین کو بھی اپنے بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ساتھ حقوق کی انجام دہی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اولاد کو صحیح طریقے سے تعلیم و تربیت دینے میں اگر غفلت برتی گئی تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اولاد کو بچپن سے لے کر جوانی تک مکمل رہنمائی اور صحیح تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ والدین کی شخصیت نہ صرف ظاہری طور پر اولاد کو متاثر کرتی ہیں بلکہ اس کی روح میں عمیق اثر پڑتا ہیں۔ اس لئے والدین کو چاہیے اولاد کے حقوق کی طرف پوری توجہ دے تاکہ دنیا کے ساتھ ساتھ دونوں کی آخرت بھی سنور جائے۔

---

[1] : نور، آیت ۳۲

[2] : تفسیر نمونہ، ج ۱۴، ص ۴۶۴، میزان الحکمت، جلد ۹ ص ۵۷۵

[3] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۴

[4] : میزان الحکمت جلد ۹، ص ۵۷۴

کیا قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے؟

آیت اللہ مکارم شیرازی

شیعہ و سنی علماء کے یہاں مشہور و معروف یہی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے، اور موجودہ قرآن کریم وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرم پر نازل ہوا، اور اس میں ایک لفظ بھی کم و زیاد نہیں ہوا ہے۔

قدما اور متاخرین میں جن شیعہ علمانے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے ان کے اسما درج ذیل ہیں

۱۔ مرحوم شیخ طوسی جو شیخ الطائفہ کے نام سے مشہور ہیں، موصوف نے اپنی مشہور و معروف کتاب ”تبیان میں وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۔ سید مرتضی، جو چوتھی صدی کے عظیم الشان عالم ہیں۔

۳ - رئیس المحدثین مرحوم شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ، موصوف شیعہ عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی طرح کی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

۴ - جلیل القدر مفسر قرآن مرحوم علامہ طبرسی، جنھوں نے اپنی (تفسیر مجمع البیان) کے مقدمہ میں اس سلسلہ میں ایک واضح اور مفصل بحث کی ہے۔

۵۔ مرحوم کاشف الغطاء جو علمائے متاخرین میں عظیم مرتبہ رکھتے ہیں۔

۶ - مرحوم محقق یزدی نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں قرآن میں تحریف نہ ہونے کے
اقوال کو اکثر شیعہ مجتہدین سے نقل کیا ہے۔

۷۔ نیز بہت سے جید علما جیسے شیخ مفید، شیخ بہائی، قاضی نور اللہ اور دوسرے شیعہ محققین نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

اہل سنت کے علما اور محققین کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ بعض شیعہ اور سنی محدثین جو قرآن کریم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے ہیں اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے، لیکن دونوں مذہب کے عظیم علما کی روشن فکری کی بنا پر یہ عقیدہ باطل قرار دیا گیا اور اس کو بھلا دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ مرحوم سید مرتضی ”المسائل الطرابلسیات کے جواب میں کہتے ہیں: قرآن کریم کی نقل صحت اتنی واضح اور روشن ہے جیسے دنیا کے مشہور و معروف شہروں کے بارے میں ہمیں اطلاع ہے، یا تاریخ کے مشہور و معروف واقعات معلوم ہیں۔

مثال کے طور پر کیا کوئی مکہ اور مدینہ یا لندن اور پیرس جیسے مشہور و معروف شہروں کے وجود میں شک کر سکتا ہے؟ اگر چہ کسی انسان نے ان شہروں کو نزدیک سے نہ دیکھا ہو، یا انسان ایران پر مغلوں کے حملے، یا فرانس کے عظیم انقلاب یا پہلی اور دوسری عالمی جنگ کا انکار کر سکتا ہے؟ !

پس جیسے ان کا انکار اس لئے نہیں کر سکتے کہ یہ تمام واقعات تواتر کے ساتھ ہم نے سنے ہیں، تو قرآن کریم کی آیات بھی اسی طرح ہیں، جس کی تشریح ہم بعد میں بیان کریں گے۔ لہذا جو لوگ اپنے تعصب کے تحت شیعہ اہل سنت کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے تحریف قرآن کی نسبت شیعوں کی طرف دیتے ہیں تو وہ اس نظریہ کو باطل کرنے والے دلائل کیوں بیان نہیں کرتے جو خود شیعہ علما کی کتابوں میں موجود ہیں؟! کیا یہ بات جائے تعجب نہیں ہے کہ فخر الدین رازی جیسے شخص نے (جو شیعوں کی نسبت بہت زیادہ متعصب ہے) سورہ حجر کی آیت نمبر ۹ کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ: آیہ شریفہ إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ شیعوں کے عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے، جو قرآن مجید میں تحریف کمی یا زیادتی کے قائل ہیں۔ تو ہم فخر رازی کے جواب میں کہتے ہیں: اگر ان کی مراد بزرگ شیعہ محققین ہیں تو ان میں سے کوئی بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا ہے، اور اگر ان کی مراد بعض علماء کا ضعیف قول ہے تو اس طرح کا نظریہ تو خود اہل سنت کے یہاں بھی پایا جاتا ہے، جس پر نہ اہل سنت توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی شیعہ علما توجہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور و معروف محقق کاشف الغطاء اپنی کتاب "کشف الغطاء میں فرماتے ہیں: لا ريب أنه (أي القرآن) محفوظ مِنَ النُّقۡصَانِ بحفظ الملك الديان كما دل عليه صريح القرآن وإجماع العلماء في كل زمان ولا عبرة بنادر "اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی طرح کی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے، کیونکہ خداوند عالم اس کا محافظ ہے، جیسا کہ قرآن کریم اور ہر زمانہ کے علما کا اجماع اس بات کی وضاحت کرتا ہے اور شاذ و نادر قول پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی غلط نسبتیں موجود ہیں جو صرف تعصب کی وجہ سے دی گئی ہیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت سی نسبتوں کی علت اور وجہ صرف اور صرف دشمنی تھی، اور بعض لوگ اس طرح کی چیزوں کو بہانہ بنا کر کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کر ڈالیں۔

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حجاز کے مشہور و معروف مؤلف عبد اللہ علی قصیمی نے اپنی کتاب الصراع میں شیعوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے: "والشيعة هم أبداً أعداء المساجد ولهذا يقل أن يشاهد الضارب

فی طول بلادھم وعرضھا مسجدا[1] شیعہ ہمیشہ سے مسجد کے دشمن رہے ہیں! اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شیعہ علاقے میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک دیکھے تو بہت ہی کم مسجدیں ملتی ہیں!!! ذرا دیکھے تو سہی! کہ شیعہ علاقوں میں کسی قدر مساجد موجود ہیں، شہر کی سڑکوں پر گلیوں میں اور بازاروں میں بہت زیادہ مسجدیں ملتی ہیں، کہیں کہیں تو مسجدوں کی تعداد اتنی ہے کہ بعض لوگ اعتراض کرتیں کہ مسجدیں اتنی زیادہ ہیں کہ ہمارے میں چاروں طرف سے اذانوں کی آوازیں آتی ہیں جن سے ہم پریشان ہیں لیکن اس کے باوجود مذکورہ مؤلف نے اتنی یہ بات کہہ دی کہ جس پر ہمیں ہنسی آتی ہے چونکہ ہم شیعہ علاقوں میں رہ رہے ہیں، لہذا فخر الدین رازی جیسے افراد مذکورہ نسبت دینے لگیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

[1] الصراع، جلد ۲ صفحہ ۲۳، علامہ امینی کی نقل کے مطابق الغدیر، جلد ۳ صفحہ ۳۰۰ تفسیرِ نمونہ، جلد ۱۱ صفحہ ۱۸

اسرائیلی جارحیت پر مسلمانوں کی خاموشی کے اسباب

عادل فراز لکھنوی

مسئلہ فلسطین اور اسرائیلی جارحیت پر مسلمانوں کی خاموشی کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں،جو کہ سیاسی،سماجی،اقتصادی اور ثقافتی عوام پر مبنی ہیں سب سے اہم نکتہ اقتصادی ہے۔کیونکہ مسلمان حکمرانوں کے اقتصادی مفاد استعماری طاقتوں پر منحصر ہیں اور وہ ان مفادات کی بنیاد پر عالم اسلام کی ترجیحات کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ظاہری طور پر ہم سیاسی،اقتصادی اور ثقافتی مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں مگر سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کی فکری غلامی ہے،جو استعماری نظام میں مزید فروغ پارہی ہے۔ہم یکے بعد دیگرے ان تمام عوامل میں سے بعض کا جائزہ لیں گے تاکہ کسی حتمی نتیجے تک رسائی ممکن ہوسکے۔

پہلا سبب:سیاسی دباو اور مشکلات.

اکثر مسلمان ممالک بین الاقوامی سطح پر اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اسرائیل کے خلاف بات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔عالمی سیاست میں اسرائیل کی حامی طاقتوں کا غلبہ رہاہے اس لئے انہیں محتاط رہناپڑتاہے۔خاص طورپر امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی اسرائیل کو پوری حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے جس کا مظاہرہ ۷ اکتوبر ”طوفان الاقصیٰ“ کے بعد مسلسل دیکھاگیاہے۔امریکہ نے اسرائیلی مفاد کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ میں چند بار جنگ بندی کی قرارداد کو ویٹو کیا اور عالمی رائے کو اسرائیل کے حق میں ہموار کرنے کے لئے جدوجہد کی،جس میں اسے ناکامی کا سامنا بھی کرناپڑا۔اس کے علاوہ اسرائیل کو اسلحے کی ترسیل میں امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک نے اہم کردارادا کیاہے۔اگر اسلحے کی یہ ترسیل نہ ہوتی تو ۷ اکتوبر کے چند روز کے بعد اسرائیل اور حماس جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوچکی ہوتی۔امریکہ کے اس واضح موقف نے مسلمان حکمرانوں کو اسرائیل کے خلاف متحد ہونے اور سخت موقف اختیار کرنے سے باز رکھا۔حتیٰ کہ اُو. آئی. سی. کے اجلاس میں بھی ان کی موجودگی عالم اسلام کا اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے صرف ایک دکھاوا تھی۔کیونکہ مسلمان حکمران بالآخر خود کو عالم اسلام کا مذہبی اور سیاسی رہنما سمجھتے ہیں،جن میں سعودی عرب سرفہرست ہے جو خود کو خادم الحرمین الشرفین کہتاہے،اس لئے اس خطاب کی ظاہری حرمت کی پاسداری کے لئے اس نے اُو. آئی. سی. کے اجلاس میں شرکت کی۔جب کہ پوری دنیا کو یہ معلوم تھاکہ اس اجلاس میں ایران کے علاوہ کوئی دوسرا ملک اسرائیل اور اس کی پشت پناہ طاقتوں کے خلاف بولنے کی جرأت نہیں کرے گا۔اور اگر کسی نے بولنے کی جرأت کی بھی تو ان بیانات کی حیثیت صرف ایک

چھلاوا ہوگی تاکہ وہ عالم اسلام کا اعتبار حاصل کر سکیں اور اپنے مذہبی وقار کو مجروح ہونے سے بچا سکیں۔ البتہ اب تک تمام مسلم فرمانرائوں کی یہ کوششیں ناکام ثابت ہوئی ہیں اور وہ اپنی حقیقت کو طشت از بام ہونے سے بچا نہیں سکے۔

دوسرا سبب: اقتصادی وابستگی

تقریباً تمام مسلمان حکومتیں اسرائیل اور اسکے حلیف مما لک کے ساتھ اقتصادی تعلقات رکھتی ہیں۔ تجارت اور سرمایہ کاری نے انہیں استعماری طاقتوں کے خلاف کھل کر بات کرنے سے باز رکھا ہے۔ خاص طور پر تیل کی تجارت جس کا انحصار امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں پر ہے۔ سعودی عرب اور اسرائیل کے درمیان ۲۰۲۰ کے بعد امریکہ کی ثالثی میں اہم تجارتی معاہدے ہوئے ہیں۔ اس معاہدے کو ''ابراہم معاہدہ'' بھی کہا جاتا ہے جو ڈیل آف سینچری کا حصہ تھا۔ سعودی عرب نے ابھی تک اسرائیل کے ساتھ باضابطہ طور پر سفارتی تعلقات قائم نہیں کئے، لیکن دونوں مما لک کے درمیان غیر رسمی تعلقات اور اقتصادی دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔ اسرائیل کی ٹیکنالوجی اور ''اسٹارٹ اپس'' کی کامیابی نے سعودی عرب کی توجہ حاصل کی ہے۔ سعودی عرب کی Vision 2030 کی حکمت عملی میں اقتصادی تنوع اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی شامل ہے،اور اسرائیل کی جدید ٹیکنالوجی اس مقصد میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان دفاعی اور سکیورٹی کے معاہدے بھی شامل ہیں۔ اسی طرح مصر اور اسرائیل کے درمیان مسلسل تجارتی حجم بڑھ رہا ہے۔ مصر 1979ء سے اسرائیل کے ساتھ متحد ہے اور مسلسل تجارت اور سرمایہ کاری کو فروغ دے رہا ہے۔ ان کے درمیان ''قنات تجارتی معاہدہ'' موجود ہے جو دونوں ملکوں کی کمپنیوں کو مشترکہ طور پر ایک دوسرے کی ضروریات اور مفادات کی تکمیل کرنے میں آسانیاں فراہم کرتا ہے۔ ترکی اور اسرائیل کے درمیان بھی تجارتی حجم بڑھ رہا ہے۔ 2023 میں دونوں ملکوں کے درمیان ۸ سے ۹ ارب امریکی ڈالر کے قریب تھا۔ ترکی اسرائیل کو مشینری، کیمیکلز، اور خوردنی اشیاء برآمد کرتا ہے۔ ترکی کی برآمدات میں کپڑے، گاڑیاں، اور الیکٹرانکس بھی شامل ہیں۔ اسرائیل ترکی کو جدید ٹیکنالوجی، دوائیں، اور صنعتی سامان برآمد کرتا ہے۔ دونوں مما لک کے درمیان تجارتی معاہدے موجود ہیں جو تجارتی تعلقات کو فروغ دینے میں مدد دیتے ہیں۔ ان معاہدوں میں دونوں مما لک کے کاروباری اداروں کو سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ اسی طرح دیگر مسلمان ملکوں کے اسرائیل اور اس کی حلیف طاقتوں کے ساتھ اقتصادی معاہدے ہیں جن کی بنیاد پر وہ اسرائیل کے خلاف واضح موقف اختیار کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ایران نے ہمیشہ استعماری طاقتوں کے خلاف محاذ آرائی کی اور کبھی اپنے ملکی مفادات کو عالم اسلام کے مفادات پر ترجیح نہیں دی۔ اگر ایران اسرائیل کے قیام کی مخالفت میں شدت

اور مسئلۂ فلسطین کو عالمی سطح پر پیش نہ کرتا تو اس پر عائد پابندیوں میں بھی نرمی برتی جاتی بلکہ استعمار نوازی کے انعام کے طور پر اس کو عالمی بازار میں خاص اہمیت بھی دی جاتی ۔ مگر امام خمینیؒ نے جس طرح مسئلۂ فلسطین کی علاقائی محدودیت کو ختم کرکے اس کو عالمی مسئلہ بنایا، ایران نے ہمیشہ اس مسئلے کی اہمیت کو برقرار رکھا بلکہ رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی نے اس کو مزید سیاسی وقار بخشا۔ فلسطینی نہضت کی مضبوطی اور کامیابی کے لئے علاقے میں مقاومتی محاذ کی ہر سطح پر مدد کی اور اس کو تقویت عطا کی ۔ صرف اتنا ہی نہیں جب ایران نے اسرائیل اور اس کی حلیف طاقتوں کو منہ توڑ جواب دینے کی ضرورت محسوس کی تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔ شہید سلیمانی کی شہادت کے بعد عراق میں امریکی فوجی مراکز پر ہونے والے حملے ہوں یا پھر شام میں ایرانی سفارت خانے پر اسرائیلی حملے کے بعد ایران کا فوجی ردعمل ہو۔

تیسرا سبب: مسلمان حکومتوں کے متضاد اور متصادم نظریات

مسلمان حکومتوں کے مذہبی اور سیاسی نظریات میں نمایاں اختلاف ہے جس کی بنیاد پر وہ مشترکہ موقف اختیار کرنے میں ناکام رہتے ہیں ۔ ان کے داخلی اور علاقائی مسائل بھی خاموشی کا سبب ہیں ۔ مذہبی اختلاف سے زیادہ سیاسی نظریات کا متصادم ہونا آپسی اتحاد میں رکاوٹ کا سبب ہے ۔ لیکن ان تمام اختلافات میں مسلک بھی ایک نمایاں عنصر کے طور پر موجود، اس سے بھی انکار کرنا ممکن نہیں ۔ ایران کے ساتھ مسلمان حکومتوں کی دشمنی علاقائی اور سیاسی مسائل کی بنیاد پر تو ہے ہی، اس میں مسلکی عنصر بھی شامل ہے ۔ چونکہ تکفیری طاقتوں نے ہمیشہ شیعہ و سنّی اختلاف کو زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ مسلکی بنیادوں پر مسلمانوں کو تقسیم کرنا آسان ہوتا ہے، اس لئے اکثر مسلمان حکومتوں کے عوام بھی آج سے کچھ سالوں پہلے تک ایران کے ساتھ سفارتی تعلقات کے حق میں نہیں تھے ۔ مگر عالم اسلام کے حق میں ایران کے واضح موقف اور استعماری پابندیوں کے خلاف اس کی استقامت نے نہ صرف عوام کو اس کی طرف متوجہ کیا بلکہ اب مسلمان حکومتیں بھی ایران کے ساتھ تعلقات میں پیش رفت کی خواہاں ہیں ۔ ایران اب اُو. آئی. سی. کا رکن بھی ہے اور عرب لیگ میں بھی اس کے ہم نوا ممالک کا غلبہ ہے ۔ اس کے باوجود مسلمان حکومتوں کے ساتھ ایران کے تعلقات بہت زیادہ خوشگوار نہیں ہیں اس کی بنیادی وجہ مسلمان حکمرانوں کی امریکہ نوازی ہے ۔ اسی فکری غلامی نے انہیں متحد ہونے سے باز رکھا ہوا ہے ۔

چوتھا سبب: علاقائی تنازعات

مسلمان حکومتوں کے درمیان علاقائی اور سرحدی تنازعات بھی موجود ہیں جو انہیں متحد ہونے سے باز رکھتے ہیں ۔ مثلاً ترکی نے بظاہر اپنی سرحدوں کے تحفظ کے لئے شام پر حملے میں نیٹو افواج کی مدد کی تھی ۔ جس وقت داعش کو بہانہ بنا کر نیٹو افواج

شام میں دراندازی کر رہی تھی ترکی اس میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ آج بھی ترکی کی فوجیں شام میں موجود ہیں جو دونوں ملکوں کے درمیان اختلاف کا ایک بڑا سبب ہے۔

مصر لیبیا میں موجودہ خانہ جنگی اور مختلف مسلح گروپوں کے ساتھ تعلقات میں ملوث رہا ہے۔ مصر نے بعض لیبیائی حکومتوں کی حمایت کی ہے اور لیبیا کے مسائل میں دخل اندازی کی ہے۔ اب یہ تو کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مصر کی یہ مداخلت اس کی اپنی مرضی پر مبنی ہے بلکہ اس نے استعماری طاقتوں کا ایما پر یہ سب کیا ہے۔ ۲۰۱۷ء میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بحرین، اور مصر نے قطر پر دہشت گردی کی حمایت کا الزام لگا کر اقتصادی اور سفارتی بائیکاٹ کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ بحران سعودی عرب اور قطر کے درمیان دیرینہ سیاسی اور اقتصادی اختلافات کا نتیجہ تھا۔ اب اس اختلاف میں دونوں ملکوں کے دوستوں کی بنیاد پر کمی آ رہی ہے اور یہ ملک ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ بحرین اور قطر کے درمیان بھی سکیورٹی اور علاقائی مسائل پر اختلافات موجود ہیں، خاص طور پر بحرین کے اندرونی مسائل اور قطر کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے۔ عراق اور مسلمان ملکوں کے درمیان داعش کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے خلاف اختلاف رونما ہوا تھا۔ فی الوقت عراق میں امریکی فوجیں موجود ہیں جنہیں سعودی عرب اور دیگر مسلم حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل ہے اور یہ حکومتیں چاہتی ہیں کہ امریکی فوجیں علاقے میں موجود رہیں۔ مثال کے طور پر ایران اور سعودی عرب کے درمیان یمن کے مسئلے پر شدید اختلاف رہا ہے جس میں اب نرمی دیکھی جا رہی ہے۔ ایران نے سعودی عرب کے خلاف یمن کے مزاحمتی گروہوں کی حمایت کی جس کی بنیاد پر خطے میں ایک نیا مزاحمتی محاذ تیار ہوا جس کی بنیاد پر دونوں ملکوں کے درمیان شکر رنجی رہتی ہے۔ اسی مزاحمتی محاذ نے ۷ اکتوبر ''طوفان الاقصیٰ'' کے بعد اسرائیل اور اس کے حامی ملکوں پر بحر احمر کی آبی گذرگاہ کو تنگ کر کے سب سے زیادہ اقتصادی نقصان پہونچایا ہے۔ دوسری طرف ترکی اور ایران کے درمیان شام اور لبنان کے سیاسی مسائل کی بنیاد پر تناؤ رہتا ہے۔ جبکہ ظاہری طور پر دونوں ملک ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر یہ آسان نہیں ہے کیونکہ ترکی 1952 سے ''نیٹو'' کا حصہ ہے۔ امریکہ کا ایک بڑا ائیر بیس ترکی میں موجود ہے۔ گویا کہ ترکی کا داخلی نظام امریکہ کی دسترس میں ہے جس طرح دیگر مسلمان ملکوں میں اس کی فوجیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جب تک امریکہ مسلمان ملکوں میں اپنی فوجوں کے ساتھ موجود ہے وہ اسرائیل کے خلاف کوئی واضح موقف اختیار نہیں کر سکتے۔

بعض وہ لوگ جو فلسطین کی عدم حمایت بلکہ عالم اسلام سے مسلم حکمرانوں کی خیانت کے مختلف جواز اور توجیہات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخر مسلمان حکومتیں اسرائیل کی مخالفت یا اس پر حملے کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہیں کیونکہ ان کے

پاس محدود جنگی وسائل ہیں۔ دوسرے یہ کہ کیا وہ افغانستان، عراق اور یمن کی طرح خود کو تباہ کرلیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ اگر ان کے پاس جنگی وسائل کی کمی ہے اور وہ اپنی تباہی نہیں چاہتے تو پھر انہوں نے یمن، شام اور عراق کو تباہ کرنے میں عالمی طاقتوں کی حمایت کیوں کی؟ یمن کی تباہی میں سعودی عرب امریکہ کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اسی طرح شام اور عراق پر ہوئے حملوں میں ترکی نے فوجی معاہدے کے تحت نیٹو افواج کا ساتھ دیا اور اب تک ترکی کی فوجیوں شام میں موجود ہیں جو ان کے درمیان اختلاف کا ایک بڑا سبب بھی ہے۔ اگر ترکی اور سعودی عرب جیسے مسلم ملک شام اور یمن کی تباہی میں استعماری طاقتوں کی مدد کرسکتے ہیں تو کیا وہ قبلۂ اول کی بازیابی اور فلسطینیوں کے تحفظ کے لئے میدان جنگ میں نہیں کود سکتے؟ دراصل ان ملکوں کی سیاسی زمام استعمار کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ان کی اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ اپنے آقا کے اشارے کے بغیر زبان بھی کھول سکیں۔

پانچواں سبب: بین الاقوامی دباؤ

اکثر اوقات بین الاقوامی دباؤ کی بنیاد پر بھی مسلم حکمران چپّی سادھ لیتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت دنیا ''گلوبل ویلیج'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کے زیادہ تر ملکوں میں اسرائیل کی سرمایہ کاری موجود ہے جس کی بنیاد پر اس کے لئے عالمی رائے کو ہموار کرنا زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں تجارتی اور سرمایہ کاری کے مسائل زیادہ اہم ہیں جن کی بنیاد پر حکومتیں اپنی ترجیحات طے کرتی ہیں۔

چھٹا سبب: ذرائع ابلاغ کا فقدان

مسلمان ملکوں کا سب سے بڑا مسئلہ عالمی ذرائع ابلاغ کا فقدان ہے۔ ان کے پاس جو میڈیا کے قومی ادارے ہیں انکی عالمی حیثیت نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنا ردعمل اس طرح دنیا تک پہونچانے سے قاصر رہتے ہیں جس طرح دنیا کے دوسرے طاقت ور ملک کرتے ہیں۔ اگر ہم الجزیرہ کی بات کریں تو معلوم ہوگا کہ ۷ اکتوبر کے بعد عالمی سطح پر غزہ کے عوام کی مظلومیت اور اسرائیلی جارحیت کو دنیا تک پہونچانے میں اس کا ایک بڑا کردار رہا ہے۔ اس کے برعکس دیگر ذرائع ابلاغ اپنی محدود معلومات اور عدم رسائی کی بنیاد پر الجزیرہ کے برابر تو کیا اس کے قریب بھی نہیں پہونچ سکے۔ دوسرے یہ کہ انٹرنیٹ کی خدمات پر استعماری طاقتوں کا غلبہ ہے اس لئے وہ جب اور جن ذرائع ابلاغ کو چاہتے ہیں بے دست و پا کردیتے ہیں ۔ ایران کے سرکاری چینل ''پریس ٹی وی'' کی سایٹ کو متعدد بار بلاک کردیا گیا۔ اسی طرح دیگر اداروں، تنظیموں اور شخصیات کی ویب سائٹس کے ساتھ بھی یہ ہوتا رہتا ہے۔ ٹوئیٹر ہینڈیل اور دیگر سوشل سائٹس پر موجود اکاؤنٹس اگر استعماری پالیسی اور

مفاد کے خلاف پوسٹ لکھتے ہیں تو ان تمام تحریروں کو یا تو حذف کر دیا جاتا ہے یا پھر ان اکاؤنٹس کو بلاک کر کے سوشل میڈیا پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ عالم اسلام نے ان مسائل کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی اور اپنا مستقل میڈیا خاص طور پر سوشل نیٹ ورکنگ کی دنیا میں کوئی قابل ذکر اقدام نہیں کیا۔

سب سے اہم سبب: فکری اور نظریاتی غلامی

فکری اور نظریاتی غلامی سے مراد وہ حالت ہے جس میں افراد یا قومیں اپنی فکر، اختیارات اور آزادی میں کمی محسوس کرتی ہیں اور خارجی طاقتوں، نظریات اور تہذیب و ثقافت کی پیروی کرتی ہیں۔ استعماری نظام میں مغربی طاقتوں نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی اور اقتصادی سطح پر بلکہ فکری اور ثقافتی سطح پر بھی متاثر کیا۔ اس نظام نے تعلیمی ماڈلز، ثقافت، معاشرتی اصولوں اور میڈیا پر قابو پا کر مسلمانوں کی فکری آزادی کو محدود کر دیا۔ اسکے بعد مغرب کی کوکھ سے جنم لینے والے جدید سماجی اور سیاسی نظریات نے بھی انہیں متاثر کیا جس کی بنیاد پر وہ اسلامی نظام اور معاشرتی اصولوں سے دور ہوتے گئے۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ اسلامی ملکوں میں بڑھتی ہوئی آمریت، داخلی سیاسی استحکام کی شکست و ریخت اور عوامی اداروں کی کمزوری نے انہیں مغرب کا گرویدہ بنا دیا۔ اس پر عالمی ثقافتوں کے اثرات کے تحت بعض مسلم قومیں اپنی روایتی ثقافت و نظریات کو پس پشت ڈال کر مغربی طرز زندگی کو اپنانے لگیں جس کا مشاہدہ ہم اسلامی ملکوں میں کر رہے ہیں۔ بعض مسلمان حکومتوں نے تو یہ باور کر لیا ہے کہ موجودہ عہد میں اسلامی دستور ترقی کی ضمانت نہیں ہے اس لئے انہوں نے مغربی سیاسی اور معاشرتی نظریات کو اپنانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کے سیاست مدار اور معاشرتی نظریہ ساز افراد بھی مغربی افکار و نظریات سے بے حد مرعوب ہوئے اور اسلامی آئین کو فرسودہ خیال کرنے لگے، جس کی بنیاد پر عوام بھی کسی نا کسی سطح پر ان کے نظریات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ثقافتی اور سیاسی انحرافات نے جنم لیا اور اب یہ رجحان مزید بڑھ رہا ہے۔

مذکورہ بالا تمام اسباب و عوامل پر مختلف جہات سے بحث کی جا سکتی ہے اور ان کو صحیح یا غلط ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان تمام عوامل کے علاوہ مسلم حکمرانوں کی فکری اور نظریاتی غلامی عالم اسلام کے انتشار کا سب سے بڑا سبب ہے۔ انہوں نے اپنے اسلامی تشخص کو ختم کر کے استعماری نظریات کے مطابق خود کو ڈھالنا شروع کر دیا۔ آج زیادہ تر مسلمان ملکوں میں مغربی تہذیب و ثقافت کا غلبہ ہے۔ اسلامی نظام کے نام پر اپنے ذاتی اور سیاسی مفادات کے حصول کے لئے غیر اسلامی تمدن کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ بعض عرب ملک تو زمانۂ جاہلیت کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ بت پرستی کے ساتھ شراب خوری اور فحاشی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ گو کہ یہ تمام امور حکومتی سطح پر انجام پا رہے ہیں مگر عوام بھی اس کے دائرۂ اثر سے باہر نہیں ہے

۔انہوں نے اپنے تعلیمی اداروں کو بھی مغرب کے تعلیمی ماڈلز کی طرز پر ڈھال دیا ہے اور اسلامی نظام تعلیم کو یکسر مسترد کر دیا ہے ۔فکری غلامی نے انہیں اقتصادی اور سیاسی مفادات کی طرف متوجہ کیا اور اس طرح یہ فکری غلامی اقتصادی اور ثقافتی غلامی میں تبدیل ہو گئی۔

نتیجہ و خاتمہ

عالم اسلام کو مسئلہ فلسطین کی حساسیت اور استعماری نظام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو سمجھنا ہو گا۔ مسلمانوں کو ہر حال میں اسلامی نظام کی بالادستی اور اس کی آفاقیت پر غور کرنا ہو گا تاکہ وہ احساس کمتری سے باہر نکل سکیں ۔اگر وہ اسلامی آئین کے ابعاد وجہات کی افہام و تفہیم کے ذرائع تلاش نہیں کریں گے تو کبھی اس فکری پستی سے ابھر نہیں سکیں گے ۔اسی طرح علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس سلسلے میں بیدار کریں اور انہیں مغربی طرز فکر اور استعماریت کے نقصانات سے روشناس کروائیں ۔فکری تحت الثریٰ سے نکلنے کے لئے ہر سطح پر کوشش کرنا ہو گی ورنہ ان مسائل سے نجات حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔

آیت اللہ محسن نواب لکھنوی

سید رضی زیدی پھندیڑوی مقیم دہلی

مشہور ادیب، خطیب اہل بیت، اور ماہر مقرّر آیت اللہ سید محسن نواب عربی و فارسی نظم و نثر کے سمندر میں غوطہ زن جن کی صلاحیت کا لوہا لکھنؤ اور نجف اشرف جیسے عظیم حوزات کی شخصیتوں نے مان لیا تھا۔ علامہ برّصغیر میں ماہر خطیب اور خوش بیان مقرّر کے عنوان سے مشہور تھے، حیدرآباد دکن، کشمیر، ممبئی اور دیگر شہروں اور صوبوں کے بہت زیادہ سفر انجام دیئے۔

آیت اللہ سید محسن نواب رضوی خلف سید احمد نواب لکھنوی سنہ 1329ہجری بمطابق سنہ 1911عیسوی میں سرزمینِ لکھنؤ پر پیدا ہوئے۔ آپ ماہ اپریل 1915عیسوی میں چار سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہوگئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ ناظمیہ میں حاصل کی، سنہ 1923عیسوی میں سلطان المدارس پہنچے اور مدرسہ کے جید اور تجربہ کار اساتذہ سے کسب فیض کر کے سنہ 1939عیسوی میں مدرسہ کی آخری سند "صدرالافاضل" حاصل کی اس کے بعد لکھنؤ سے نجف اشرف کے لئے عازمِ سفر ہوئے، وہاں پہنچ کر بزرگ علمائے کرام کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کئے اور علمائے کرام سے اجازے حاصل کر کے اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔

موصوف کے معروف اساتذہ میں: آیت اللہ شیخ عبد الحسین رشتی، آیت اللہ جواد تبریزی، آیت اللہ میرزا محمد حسین نائینی، آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی، آیت اللہ ضیاء الدین عراقی[1]، آیت اللہ سید ناصر حسین موسوی، بابائے منطق مولانا عبد الحسین، مولانا صغیر حسن، آیت اللہ سید ہادی، آیت اللہ باقر العلوم سید محمد باقر رضوی، نادرۃ الزمن مولانا ابن حسن نونہروی، ظہور الملت مولانا ظہور حسین، آیت اللہ سید محمد آل باقر العلوم سابق پرنسپل سلطان المدارس لکھنؤ اور مولانا عالم حسین وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

آیت اللہ محسن نواب طاب ثراہ کی علمی لیاقت کو دیکھتے ہوئے آیات کرام نے اجازات اجتہاد اور نقل روایت سے نوازہ۔ جن میں: سنہ 1358ہجری میں آیت اللہ ابوالحسن موسوی نے آیت اللہ محسن الملت محسن نواب کے لئے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد اور امور حسبیہ تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ... ملازم الانام ولدی الاعز السید محسن نواب رضوی نجل المرحوم المغفور لہ... السید**

1۔ مطلع انوار، مرتضیٰ حسین، ص448۔

احمد نواب طیب اللہ رمسه۔۔۔۔ و بلغ درجة الاجتهاد۔۔۔ الامور الحسبیه والوظائف الشرعیه۔۔۔ سنہ 1358ہجری میں آیت اللہ عبد الحسین رشتی نے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔ علما یقتدی به و مفتخرة لزمانه ومال ما ازادو بلغ مرتبة الاجتهاد۔۔۔۔ آیت اللہ شیخ محمد حسن نے آیت اللہ محسن الملت محسن نواب کے لئے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔ ثقة الاسلام و ملاذ الانام السید محسن نواب رضوی نجل السید الماجد الشریف المرحوم احمد نواب نوراللہ مرقدہ من الذین اختارهم اللہ تعالیٰ لاحیاء علوم الشریعة الاسلامیة و اقامة الشعائر الدینیة فاوضح السبیل الصدق و اعلی کلمة الحق فانه بعد ان جدو اجتهدو حاز علی قصب السبق فی المدارس الهندیة واقطف من العلوم المتداولة ثمارها و کشف عن الاداب اسرارها شد الرحال الی دار العلم والاجتهاد مدینة النجف الاشرف فاکب علی تحصیل العلوم والمعارف۔۔۔۔ سنہ 1358ہجری میں آیت اللہ محمد حسین آل کاشف الغطاء نے آیت اللہ محسن الملت محسن نواب کے لئے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد اور امور حسبیہ تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔ بارعا فی الفقه والاصول متبحرا فی العلم المنقول و نال ایدہ اللہ ما ارادا۔۔۔ درجة الاجتهاد واصبح من اولئک الاعلام۔۔۔۔ سنہ 1358ہجری میں آیت اللہ محمد کاظم یزدی نے محسن الملت آیت اللہ محسن نواب کے لئے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔ و نال بفضل باریه المرادو بلغ مرتبة الاجتهادو کل ذلك مما۔۔۔۔ سنہ 1358ہجری میں آیت اللہ ضیاء الدین عراقی نے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ۔۔۔جهوده فی طلیعة ارباب الفضل فائقا علی۔۔۔۔ اجتهادو تاهل لان ترجع الیه طلبة۔۔۔۔ سنہ 1358ہجری میں کسی آیت اللہ نے آیت اللہ محسن الملت محسن نواب کے لئے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی بھیگنے کی وجہ سے عبارت مٹ گئی ہے اور اجازہ دینے والے کی مہر اور نام بھی مٹ گیا ہے۔ اجازہ کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔ بعد فان العالم العامل والفاضل الکامل الورع۔۔۔ العاملین و سناد الفقهاء العاملین السید محسن نواب رضوی الکهنوی دامت برکاته

قدصرف عمره الشریف فی تحصیل العلوم الشریعه والعالم الدینیه فی النجف الاشرف و غیرها و حضر ببحث الاعلام والمشائخ الکرام وابحاث المقر حضور تحقیق و تدقیق و کدت و اجتهد وافاد واستفاد حتی صار من العلماء العاملین والفقهاء الراشدین و بلغ درجة الاجتهاد والاستنباط و له العمل بمایستنبط من الاحکام علی الهج المالوف بین الاعلام ۔۔۔۔ آیت اللہ سید جمال الدین گلپایگانی نے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- الحمدللہ الذی جعل العلم نورا تھتدیٰ بہ الامم والعالم منارا تجلیٰ بہ الظلم والصلوۃ والسلام علی سید العرب والعجم و علی آلہ ال البیت والحرام امابعدفان۔۔۔ وبلغ مرتبة الاجتهاد فله العمل۔۔۔ 1358ہجری میں آیت اللہ عبدالکریم غروی نے عربی زبان میں اجازہ اجتہاد تحریر فرمایا جس کی عبارت اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- ۔۔۔ وبلغ مرتبة الاجتهادو کل ذالك مما۔۔۔۔ سنہ 1358ہجری میں آیت اللہ ابراہیم رشتی نے عربی زبان میں اجازہ تحریر فرمایا جس کی عبارت کے مٹنے کی وجہ سے اجازہ کی نوعیت غیر مشخص ہے عبارت کچھ اس طرح ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- ۔۔۔ محسن نواب الکھنوی نجل ۔۔۔السید احمد نواب الرضوی من الذین من اللہ۔۔۔ آیات کرام کی ان عبارات سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ محسن الملت مسلم الثبوت مجتہد تھے اور آپ نے اپنے علم پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کی ہدایت فرمائی۔

آیت اللہ محسن نواب رضوی کو تصنیف و تالیف سے بھی خاص دلچسپی تھی چنانچہ اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود العلم نامی علمی و مذہبی رسالہ کے سرپرست قرار پائے جو نخاس ٹولہ لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا اس رسالہ میں آپ کے مضامین اور دیگر مصنفین کی کتابوں پر آپ کے تبصرے اور تنقیدیں مسلسل شائع ہوئیں ۔ایک عربی رسالہ "الادیب" جو ناصر الملت آیت اللہ ناصر حسین کی زیر سرپرستی میں نکلتا تھا اس کی ادارت بھی آپ کے ذمہ رہی جسے انجمن نادی الادبا شائع کرتی تھی اس میں بھی آپ کے کافی مضامین شائع ہوئے ہیں نیز ماہنامہ "الواعظ" کی ریاست آپ کے ہاتھوں میں رہی، اس عرصہ میں موصوف نے سیکڑو مضامین لکھے، مختلف عناوین پر کتابیں تالیف کیں مثلاً: محسن انسانیت، الفرق بین المعجزہ والسحر،[1] زائرین قائم آل محمد، خلاصہ عبقات الانوار (حدیث غدیر)، غدیر سے کربلا تک، ہزار موتی، النجعۃ فی الرجعت (اثبات الرجعت)[2]،

1۔ مطلع انوار، مرتضیٰ حسین، ص449۔

2۔ ویب سائٹ: جنٹ ان۔

حدیث انامدینۃ العلم و علی بابھا،[1] ارض کربلا پر فیصلہ کن مقابلہ، اور المنتقی و المنتقد من تاریخ الخطیب احمد، بینات شیعہ من مصادر اہلسنہ (غیر مطبوعہ عربی زبان میں)، فلسفہ سحر و اعجاز وغیرہ۔

محسن الملت نے ماہ اکتوبر سنہ 1939عیسوی میں مدرسہ ناصریہ جونپور کی ریاست کو قبول کیا،مدرسہ عالیہ رامپور کی جانب سے دعوت دی گئی اور "نواب رضاعلی خاں" نے ان کو مدرسہ کا رئیس منتخب کیا اس کے بعد سلطان المدارس لکھنؤ میں علوم عقلی کی تدریس کرنے لگے ساتھ ہی میں شیعہ عربک کالج میں بھی طلبہ کو درس دیتے رہے اور اس کے ممبر بھی تھے اور شیعہ کالج ڈگری کالج لکھنؤ کے بورڈ آف ٹرسٹیسز کے ممبر بھی رہے محسن الملت نے انہی مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی۔

محسن الملت کی تعلیمی صلاحیتوں سے ہندوستان کے چند برجستہ تلامذہ میں علامہ سید رضی جعفر نقوی، مولانا سید آغا جعفر نقوی، مولانا سید منظور حسین، مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل، علامہ سید لیاقت رضا رضوی، علامہ مرزا محمد عالم بانی مدرسہ جامعۃ التبلیغ لکھنؤ، ثقۃ الاسلام سید محمد صالح رضوی، آیت اللہ سید محمد جعفر رضوی پرنسپل سلطان المدارس لکھنؤ،علامہ سید مظاہر حسین، امیر جامعہ ناظمیہ مولانا سید حمید الحسن رضوی، مولانا افتخار حسین انصاری سری نگر کشمیر، خطیب اکبر مولانا مرزا محمد اطہر، حکیم امت ڈاکٹر مولانا کلب صادق نقوی، مولانا وارث حسن نقوی، مولانا ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نونہروی، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، عالیجناب سید احمد مظلوم گورنر جھار کھنڈ، علامہ شیخ شبیر حسن کوپا گنج، اعظم گڑھ، مولانا سید علی باسٹوی، علامہ سید محمد باسٹوی، مولانا کرار حسین اعظم گڑھ، مولانا شرافت حسین صاحب دھولڑویاور علامہ روشن علی خان وغیرہ خاص شہرت کے مالک ہونے کے سبب قابل ذکر ہیں۔

آپ اردو زبان میں معیاری شاعری بھی فرماتے تھے ساتھ ہی عربی زبان میں بھی اعلی پیمانے کی شاعری کرتے تھے چنانچہ جون پور شیعہ کالج جو ایک وقت تک فقط مڈل اسکول تھا اسکے لئے اپنے ذاتی اثر ورسوخ کے ذریعہ آپ نے اس زمانہ میں دس ہزار کی خطیر رقم جمع کرائی تھی جس سے اس کالج میں طلبہ کے کلاس روم پختہ تعمیر کیے گئے تھے اور حاجی داؤد ناصر ممبئی کو جونپور شیعہ کالج میں مدعو کیا تھا اور آپ نے برجستہ عربی زبان میں منظوم سپاس نامہ حاجی داؤد ناصر کی خدمت میں کالج کی انتظامیہ کی جانب سے پیش فرمایا تھا جس سے خوش ہو کر شیعہ کالج جونپور کی خوب مالی مدد ہوئی تھی اور مڈل اسکول شیعہ کالج ہو گیا تھا

1۔ مآب، انامدینۃ العلم و علی بابھا۔

تذکرہ کی وہ کتابیں جن کا ہم نے مطالعہ کیا ان میں بیٹوں کے نام اور تعداد نہیں بتائی گئی البتہ اللہ نے آپ کو تین نعمتوں سے نوازا جو کراچی میں آباد ہیں آپ کے ایک بیٹے مولانا "ناصر مہدی" جو اپنے والد کے علمی وارث بھی ہیں اور لوگوں کی ہدایت میں مصروف ہیں، سید عارف مہدی رضوی اور سید منتظر مہدی رضوی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

وہ محسن الملت جس کے علم و عمل کا ڈنکا ہندوستان، پاکستان اور عراق میں بجتا تھا، وہ بحر ذخار جس کے علوم کا سمندر موجیں مارتا تھا، وہ یگانہ روزگار عالم جس کی زلزلہ افگن تقریریں سامعین کو اپنا فریفتہ کرلیتی تھیں، وہ فخر زمانہ جس کے درس و تدریس کے وقت علوم و فنون کے دریا روشن ہو جاتے تھے، وہ نامور صاحب قلم جس کی گردش قلم سے مشکل مسائل کی گھتیاں سلجھ جاتی تھیں، وہ عدیم المثال شاعر جس کے تخیلات بلند پایہ تک نامور صاحبان سخن کا وہم بھی نہیں پہنچ سکتا تھا، وہ عابد و زاہد جس کے پند و نصیحت کے وقت لوگ لرز جاتے تھے۔

آخر کار مذکورہ اوصاف کی حامل شخصیت 12 جمادی الثانی 1389 ہجری مطابق 26/اگست 1969 عیسوی بروز منگل ڈھائی بجے دن لکھنؤ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملی انتقال کی خبر پھیلتے ہی عقیدت مندوں کا ہجوم شریعت کدہ پر امنڈ پڑا، قرب و جوار کے علاقہ میں دکانیں بند ہو گئیں اور پوری فضا میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ مغرب کے قریب بہت بڑے مجمع کے ہمراہ جنازہ امامباڑہ آغا باقر میں غسل و کفن کے لئے لایا گیا اور اگلے روز 27/اگست صبح ساڑھے سات بجے آپ کی نماز جنازہ اس وقت کے عظیم خطیب اور پرہیز گار عالم دین مولانا ابن حسن نونہروی کی اقتدا میں ہوئی اور مجمع کی ہزار آہ و بکا کے ہمراہ حسینیہ غفرانماب لکھنؤ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آخر میں خداوند متعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ پالنے والے آیت اللہ محسن الملت محسن نواب طاب ثراہ کے درجات بلند فرما اور ہم سب کو ان کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور علم و عمل کی دولت سے مالا مال فرما...

آمین والحمد للہ رب العالمین۔

توہینِ رسالتؐ ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب ہے !

ٹی،اے،رضوی کلکتوی

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" اور جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں انہیں برا نہ کہو ورنہ وہ بے سمجھی میں زیادتی کر کے اللہ کو برا کہیں گے۔ (سورہ انعام آیت ۱۰۸)

معزز قارئین کرام! آپ سبھی حضرات ملک میں واقع ہونے والا توہین رسالتؐ کے دلخراش واقعہ سے بخوبی واقف ہیں اور آج ہمارے ملک میں مسلمانوں کی اکثریت اس غم انگیز واقعہ پر سراپا احتجاج ہے اور ہونا بھی چاہئیے کہ یہ پر امن احتجاج اور مظاہرہ در واقع ہمارے ایمان کا حصہ ہے اس شرمناک واقعہ سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری امت مسلمہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے !اسلام امن وسلامتی کا سرچشمہ اور انسانوں کے مابین محبت وخیر سگالی اور مذہبی رواداری کو فروغ دینے والا مذہب ہے وہ کسی بھی مذہب کے مقدسات کی تضحیک و توہین کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ دینِ اسلام کی تمام تر تعلیمات انسانیت کے احترام کا درس دیتی ہیں۔ آج! دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ انسانی اقدار کے خلاف ہے۔ نام نہاد سوامی یتی نرسنگھانند جیسے بد ذہن وبد زبان افراد کہ جس نے رسول امین، سید المرسلین، رحمت العالمین، سرور کائنات، سرکار دوعالم محبوب خدا حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے وہ نہایت ہی شرمناک ہے جو کسی بھی صورت برداشت نہیں کی جاسکتی! البتہ یہ اسی کڑی کا حصہ ہے جو تقریباً ایک صدی پہلے 1929 میں راجپال نامی ایک شخص نے پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں نازیبا کتاب لکھی اور اسے بے لگام و آزاد چھوڑ دیا اسکے بعد سے اس مذموم سلسلے کو ہندوستان کے انتہاپسندوں نے جاری رکھتے ہوئے 'شیطانی آیات' کے مصنف سلمان رشدی کو تحفظ دیا بعد میں وہ یورپ منتقل کر دیا گیا، اسی طرح بنگلہ دیشی مصنفہ تسلیمہ نسرین نے بھی اپنی ذہنی غلاظت اور اپنے اخلاق کے فقدان کا اظہار کرتے ہوئے اسی جرم کا ارتکاب کیا تو یہ ملعونہ بھی انتہاپسندوں اور فطائیوں کی محبوب ٹھہری اور پھر ہوا یوں کہ فطائیت کے کارندوں کا یہ معمول بن گیا اور اس کے بعد نوپور شرما اور ایل ایس تجاسوی سوریا، نوین جندال جیسے لوگوں کی ہمت بڑھتی چلی گئی اور یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے اس پر آشوب ماحول میں ایسے شرمناک واقعات در حقیقت دشمن عناصر کی ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے اور ملک میں مذہبی نفرت کو فروغ دینے اور فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دینے کی ایک مذموم کوشش ہے۔ مگر بہر حال! آپ نے یہ سنا ہوگا کہ سورج یا چاند کی طرف منہ اٹھا کر تھوکنے سے نہ تو ان کی چمک کم ہوتی ہے اور نہ ہی روشنی، انہیں بال برابر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں تھوک ضرور واپس اپنے ہی منہ پر گرتا ہے...

اس بھری بزم میں ہم دونوں کو سب جانتے ہیں　　اپنی توہین نہ کر، میرا تماشا نہ بنا

سید المرسلین، خاتم النبین، رحمت العالمین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ساری دنیا کے لئے قابل احترام شخصیت ہیں اور آپ سبھی ادیان کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ اور مشعل راہ ہیں، آپ ﷺ کو صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا تمام انبیاؑ کی توہین اور انسانی اقدار کی پامالی ہے۔ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ پوری انسانیت کے لیے بہار زندگی اور بہترین نمونہ عمل ہے، آپ کی سیرتِ طیبہ سے محبت، امن، رحمت، اور بھائی چارے کا درس ملتا ہے، آپ ﷺ سے سچی عقیدت و وابستگی اور سچی محبت ہی ایمان کامل کی علامت اور آپ سے بغض و عناد کفر و شرک و نفاق اور جہنمی ہونے کی نشانی ہے۔ اس موقع پر ہم شاتم رسولؐ کے خلاف فوری طور پر سخت قانونی کارروائی کی مانگ کرتے ہیں کہ انڈین قانون کی شق ۵۰۵ اور ۱۶۳ کے مطابق کسی بھی مذہب کی گستاخی کے جرم میں تین سال قید اور مالی جرمانے کی سزا موجود ہے۔ نیز ہندوستانی آئین کے آرٹیکل ۱۰ کے تحت مذہبی جذبات کو مجروح کرنا جرم ہے۔ اس شرمناک جرم کے مجرم سوامی یتی نرسنگھانند کو گرفت میں لے تاکہ مستقبل میں اس قسم کے واقعات کی روک تھام ہو سکے اور ہندوستان جیسے پیارے جمہوری ملک کی گنگا جمنی تہذیب برقرار رہ سکے اور ملک میں مذہبی ہم آہنگی، رواداری، امن و سلامتی اور عوام میں احترام انسانیت اور اتحاد و یکجہتی کو فروغ مل سکے کہ یہی ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔